رجسٹرڈ ایل نمبر ۸۳۵

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

دیں کی نصرت کے لئے اک آسماں پر شور ہے | عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا | اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانیکے دن

دُنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اسکو قبول نکیا لیکن خدا اُسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا۔ (الہام حضرت مسیح موعود)

الفضل

مضامین بنام ایڈیٹر کے

کاروباری امور متعلق خط و کتابت بنام مینیجر ہو

فہرست مضامین

ایڈیٹر:- غلام نبی ٭ اسسٹنٹ - مہر محمد خان ٭

نمبر ۷۵ | مورخہ ۷۔ اپریل سنہ ۱۹۲۱ء | پنجشنبہ | مطابق ۲۷ رجب سنہ ۱۳۳۹ھ | جلد ۸

مدینۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ ایام زیر رپورٹ میں نزلہ اور حرارت سے علیل رہے۔ لیکن اب خدا کے فضل سے آرام ہے۔

۲۔ اپریل۔ افریقہ میں چار ہزار احمدی ہونے کی خوشی میں مدرسہ احمدیہ اور ہائی سکول میں تعطیل کی گئی۔ اور عصر کے بعد مسجد اقصیٰ میں زیر صدارت جناب حافظ روشن علی صاحب جلسہ ہوا جسمیں مختلف احباب نے نظمیں پڑھیں۔ اور تقریریں کیں ٭

برادرم مسٹر محمد امین (ساگر چند) بیرسٹرایٹ لا ر تشریف لائے۔ صاحب موصوف احباب سے اپنے ایک خاص مقصد میں کامیابی کے لئے درخواست دُعا کرتے ہیں ٭

امریکہ میں تبلیغ احمدیت

نامۂ صادق

شہر ڈی ٹرائٹ میں تبلیغ

شہر ڈی ٹرائٹ یہ شہر ملک امریکہ میں موٹر کار بنانے کے کارخانوں کے سبب مشہور ہے۔ اس میں پندرہ مختلف کارخانے ہیں۔ ہر کارخانے کی موٹر اپنی بناوٹ میں جُدا گانہ ہے۔ سب سے زیادہ مشہور کارخانہ مسٹر ہنری فورڈ کا ہے۔ جسمیں پچاس ہزار آدمی ملازم ہیں اور ہزاروں موٹر کار ہر سال بنتے اور فروخت ہوتے ہیں۔ جس گاڑی کو ہندوستان میں موٹر کار کہتے ہیں۔ اُسے یہاں اِس ملک میں آٹو موبیل کہتے ہیں۔

شہر ڈی ٹرائٹ کا رقبہ اسّی مربع میل اور آبادی دس لاکھ ہے۔ اس شہر میں ایک یونیورسٹی۔ چھ کالج۔ ۲۰۰ بڑے اسکول۔ تین سو گرجے۔ چار ریلوے اسٹیشن۔ چالیس پبلک باغات۔ گیارہ شفا خانے۔ ستادن آگ بجھانے کے اسٹیشن پندرہ مفت کتبخانے۔ دس تھانے۔ پانچ بڑے مارکیٹ ہیں۔ شہر میں ٹریم کار بجلی سے چلتا ہے۔ اور بجلی کی روشنی ہوتی ہے۔ ٹریم کار میں کرایہ ۳ ہے۔ ایک دفعہ سوار ہو کر خواہ چند قدم پر اُتر جاؤ۔ خواہ میلوں چلے جاؤ۔ ایک ہی کرایہ لگتا ہے۔ یہ شہر بلحاظ رقبہ و آبادی اس ملک میں تیسرے درجہ کا ہے۔ اور بلحاظ کارخانجات موٹر کار اوّل درجہ کا ہے۔ اس شہر میں آٹھ اخبار روزانہ شایع ہوتے ہیں۔ اور کچھ ایک ہفتہ وار اور ماہواری۔ اخبار فری پریس ہر روز ایک لاکھ سے زائد شایع ہوتا ہے۔ اسمیں میری تصویر اور میرے لیکچر کی

کے تبلیغی مضمون چار دفعہ شایع ہو چکے ہیں۔ اس شہر کا جو
حصہ کنارہ دریا پر واقع ہے وہ گیارہ میل لمبا ہے۔ تین ہزار
موٹر کار روزانہ فروخت کے واسطے طیار ہو کر مارکیٹ
میں چلا جاتا ہے۔ مزدور کو چھ ڈالر سے دس ڈالر تک
روزانہ مزدوری ملتی ہے۔ ایک ڈالر قریباً تین روپے کا ہوتا ہے
جب مزدور چھ ڈالر روز کما لیتا ہے۔ تو اسی سے دوسرے
اخراجات کا اندازہ لگ سکتا ہے۔ جو شخص یہاں کمائے
اور ہندوستان جا کر کھائے۔ وہ بڑے فائدہ میں ہوگا
مگر جس کا روپیہ میری طرح ہندوستان سے آئے۔ اور
یہاں خرچ ہووے۔ اسکے لئے بڑے مشکلات ہیں۔ مگر
مومن کے مشکلات اللہ تعالیٰ جلد آسان کر دیتا ہے۔
آخر فتح اُسی کی ہے۔ ان لوگوں کیواسطے انشاء اللہ بہت بڑا ثواب ہے
جو غیر ممالک کے مشنوں کیواسطے روپیہ بہم پہنچاتے ہیں۔ اس شہر
میں تین ہزار کارخانے ہیں جنمیں اکثر کارخانے صرف موٹر کار بناتے ہیں
اور ایک سو ۲۲ کارخانے موٹر کاروں کے مختلف پرزے بناتے رہتے ہیں۔
حجام کی دکان پر جا کر حجامت کرائیں تو تین روپے خرچ ہوتے ہیں۔
اسے مکان پر بلائیں تو مبلغ چھ روپے دینے پڑتے ہیں۔ مجھ کو تو بال
کٹوانے وغیرہ کا بہت شوق نہیں۔ کبھی مہینہ میں ایک دفعہ حجام
کی دکان پر جانا ہوتا ہے۔ جو حجامت بناتے وقت دنیا بھر کے
پولیٹیکل مسائل پر گفتگو کرتا رہتا ہے اور میں اسے اسلام کی تبلیغ
کرتا رہتا ہوں۔ ہوٹل میں ایک پیالہ چائے پانچ آنہ میں ملتا ہے۔
بوٹ پالش کرنیوالا صاحب چھ آنہ لیتا ہے۔ ایک رومال کی دھلائی
دو آنہ لگتی ہے۔ جو شخص گھر میں کتا رکھے اُسے چار روپیہ محصول
دینا ہوتا ہے۔ کتیا کے واسطے آٹھ روپے۔ گلیوں میں کوئی کتا
آوارہ نہیں پھرتا۔ کسی کا کتا آوارہ ہو جائے تو پکڑ کر بھیجدیا جاتا
ہے۔ ہندوستان میں کسی شہر کے گلی کوچوں کی صفائی اگر دیکھنی
چاہئے جس دن لاٹ صاحب نے وہاں سے گذرنا ہو مگر اس سے
بھی بڑھ چڑھ کر اس شہر کے گلی کوچے ہر روز صاف رہتے ہیں
کسی شخص کو اجازت نہیں کہ اپنے مکان کا کوڑا کرکٹ گلی میں پھینکے
یا گھر کا گندا پانی نالیوں کے ذریعہ باشندگان شہر کی نذر کرے۔
گندا پانی زمین دوز نلکوں میں چلا جاتا ہے۔ اور کوڑا کرکٹ میونسپلٹی والے
ہر گھر سے لیجاتے ہیں۔ صفائی کا نہایت اعلیٰ انتظام ہے گلیاں
فراخ ہر مکان کے آگے بچھونا یا باغیچہ
گذشتہ جولائی میں عاجز یہاں تبلیغ کے واسطے آیا تھا اور چند لیکچر دئے
تھے جنمیں پھر ایک لیکچر میں ایک لیڈی جس کے ساتھ پہلے خط و کتابت تھی مسلمان
ہوئی۔ اور اس کا نام زینب رکھا گیا تھا۔ اسوقت سے یہاں چند لوگوں سے واقفیت
تھی۔ ایک صاحب نے مجھے شکاگو لکھا کہ آپ اگر چند روز کیواسطے یہاں
آسکیں تو اسلام پر چند لیکچروں کا انتظام کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایک
ٹاؤن ہال لیا اور میں ۵ فروری کو شکاگو سے یہاں پہنچا۔ ۷ فروری کی
شام کو لیکچر ہوا۔ ایک نہایت وسیع ہال مردوں اور عورتوں سے بھرا ہوا تھا

پادریوں کو چیلنج

میں نے اپنے لیکچر میں رسول کریم کے حسن اخلاق کو بیان
کرتے ہوئے عیسائیوں کے ایک ڈیپوٹیشن کا ذکر کیا تھا
جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتوار کے دن گرجا کرنے کیواسطے
کوئی جگہ طلب کی تھی تو آنحضرت نے انہیں اپنی مسجد دیدی تھی۔ اس واقعہ کو
بیان کرنے کے بعد میں نے چیلنج دیا کہ کیا ڈیٹرائٹ کے اسقدر پادریوں میں سے
جنہیں نہایت وسیع حوصلہ اور احسن اخلاق رکھنے کا دعویٰ ہے کوئی ایسا
ہے۔ جو مجھے اپنا گرجا جمعہ کے دن اسلامی نماز کیواسطے دیدے۔ لیکچر
میں شہر کے روزانہ اخبار دو کے رپورٹر بھی موجود تھے۔ انہوں نے فوراً اُس
چیلنج کی خبر اپنے اخبار کے دفتروں میں پہنچائی۔

اس ملک کے اخبار

اس ملک کے اخبارات پبلک کی خدمت کے واسطے
ہر رنگ میں کوشاں رہتے ہیں۔ ہر ایک اخبار کے
متعلق ایک دفتر معلومات ہوتا ہے جسکو Information
Bureau کہتے ہیں۔ کوئی سوال علمی طبی قانونی وغیرہ
لکھو۔ وہ فوراً جواب اخبار میں شایع کرتے ہیں۔ اور ساتھ ٹکٹ ارسال ہو تو
تحریری جواب بھی دیتے ہیں۔ علاوہ اسکے پبلک کی دلچسپی کے ہر قسم کے کام
اخبار والے کرتے رہتے ہیں۔ مثلاً شکاگو میں ایک اخبار والے نے یہ سلسلہ
جاری کیا کہ وہ ہر صبح اپنے دفتر کا ایک رپورٹر پچاس ڈالر قریباً دو سو روپیہ دیکر شہر
میں بھیجتا۔ یہ رپورٹر سرکاری ملازمین اور دیگر پبلک کا کام کرنیوالوں مثلاً
گاڑی بان۔ پولیس مین۔ ٹکٹ کلرک۔ گیٹ کیپر۔ ایسے لوگوں کے پاس
جاتا جن کو عام لوگوں سے واسطہ پڑتا۔ اور یہ تجربہ کرتا کہ ان میں سے کون
شخص سب سے بہتر پبلک کے ساتھ اخلاق سے برتاؤ کرتا ہے اور جو سب سے
زیادہ خلیق اُسدن ہوتا اسکو پچاس ڈالر انعام دیکر شام کے اخبار میں تمام
رپورٹ چھاپ دیتا۔ کہ کون شخص پبلک کی خدمت سے گھبراتا نہیں۔ اور سب سے
میٹھا بولتا ہے۔ اور حکومت نہیں جتلاتا بلکہ سب سے ہنس کر بولتا ہے۔
غرض اخبار والے پبلک کی دلچسپی اور بہبودی میں بہت حصہ لیتے ہیں۔

پادریوں کے جواب

میرے چیلنج کے شایع ہونے پر ایک اخبار نویس نے اپنے
دفتر سے ایک رپورٹر بھیجا کہ شہر کے مشہور
پادریوں کے پاس جائے۔ اور ان سے میرے چیلنج کا جواب طلب کرے۔ وہ رپورٹر
سب پادریوں کے مکان پر گیا۔ بالاتفاق سب نے انکار کیا کہ ہم اپنا گرجا کسی مسلمان کو
نہیں دے سکتے کہ وہ اسمیں نماز پڑھے یا خطبہ پڑھے۔ ایک پادری نے کہا مسلمان کو
گرجا دینا ایسا ہوگا جیسا جرمن کو اپنا قلعہ دینا کہ وہ اسمیں بیٹھ کر ہم پر گولے چلائے
کانگریگیشنل چرچ کے ایک پادری صاحب نے کہا کہ ہم تنگ خیال نہیں۔ ہم
اپنی کمیٹی کے ساتھ مشورہ کرینگے۔ شاید کہ وہ مان لیں۔ یہ سب خبریں دوسرے
روز کے اخبار میں چھپ گئیں۔ اسکے بعد یونی ٹیرین چرچ کے ایک پادری صاحب
تشریف لائے کہ ہماری جماعت آپکا لیکچر اتوار کے دن اپنے گرجے میں سننا
چاہتی ہے۔ ۲۷ فروری کو شام ۸ بجے ان کے ہال میں لیکچر قرار پایا ہے۔

جواب الجواب

بعض پادری صاحبان نے اپنے جواب میں شایع کیا کہ اسلام عیسائیت
کا دشمن مذہب ہے۔ اور عیسائیت کے راہ میں ایک بڑا بھاری
خطرہ ہے اسواسطے ہم کسی مسلمان کو اپنے گرجے میں جگہ نہیں دے سکتے۔ اسکے جواب میں
میں نے جو مضمون اخبار میں شایع کرایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ میں عیسائیوں کا دشمن
نہیں۔ بلکہ خیر خواہ ہوں۔ حضرت عیسیٰ کو سچا نبی مانتا ہوں۔ اور موجودہ عیسائیوں
سے بڑھکر اس سے محبت کرتا ہوں۔ کیونکہ عیسائی اُسے ملعون شدہ مانتے ہیں
اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ہمیشہ مبارک تھا۔ مگر فرض کرو کہ میں عیسائیت کا
دشمن ہوں تو کیا تم گرجوں میں وعظ نہیں کرتے کہ دشمن سے محبت کرو۔ مگر جو
تم تعلیم دیتے ہو۔ اُس پر خود تمہارا عمل نہیں اور یہ باتیں تمہارے منہ سے کہلوانا
چاہتا تھا سو تم نے کہدی۔ اب تم مت گھبراؤ۔ مجھے تمہارے گرجوں کی ضرورت
نہیں اور نہ تمہارے گرجوں کی ساخت اور فرنیچر ایسی ہے کہ وہاں باآسانی نماز ہو سکے۔

اخبارات میں مضامین

یہاں کے اخبارات میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تائید اسلام
میں بہت سارے مضمون شایع ہوئے ہیں۔ تین مختلف
اخباروں میں میری تصاویر کے ساتھ مضامین شایع ہوئے ہیں۔ انمیں سے ایک اخبار
جس کا نام فری پریس ہے۔ روزانہ ۲۴ صفحہ پر شایع ہوتا ہے۔ اور اتوار کے دن
۸۰ صفحات پر۔ اس کا ایڈیٹر مجھے ملنے آیا۔ تین گھنٹہ تک گفتگو ہوئی۔ اور اسلامی
تعلیم پر ہر پہلو سے اس نے سوال کئے۔ اور میرے جوابات کو اپنے لمبے چوڑے
اخبار کے کئی کالموں میں میری تصویر کے ساتھ شایع کیا۔ شہر میں ایک شور پڑ گیا۔ بڑے
بڑے لوگ ملاقات کیواسطے آتے ہیں۔ بعض معززین نے شاندار دعوتوں کا
انتظام کیا اور شہر کے شریف لوگ اور چیف آف پولیس کئی ایک وکیل
اور بنکوں کے منیجر شامل ہوئے۔ اور اسلامی خوبیاں سنکر خوش ہوئے۔

خواجہ عیسائی

ایک شامی مسلمان کے مکان پر میں بیٹھا تھا۔ عیسائیت اور
اسلام کے مقابلہ پر کچھ گفتگو تھی۔ باتوں میں ایک اور
صاحب انکی ملاقات کے واسطے آگئے۔ انہوں نے میرے ساتھ ملاقات کرتے
ہوئے کہا کہ یہ خواجہ یونس ہیں۔ اور شام کے رہنے والے ہیں۔ بعد ملاقات
گفتگو پھر شروع ہوئی۔ میری عیسائیت کی حسب معمول بہت خبر لی۔ سب خاموش

House, 74 Victor Avenue, Highland Park, Mich.

الفضل قادیان دار الامان ۔ ۷ ۔ اپریل ۱۹۲۱ء

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھو الناصر

پروفیسر رام دیو صاحب اور صداقتِ اسلام

از سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ

احباب کو معلوم ہوگا کہ پروفیسر رام دیو صاحب اور میرے درمیان انکے ایک لیکچر کے متعلق تبادلہ خیالات ہوتا رہا ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے آخری جواب میں تحریری مباحثہ کا جو طریق میں نے پیش کیا اسکو قریباً منظور کر لیا ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ اس طریق بحث سے اچھا نتیجہ نکلیگا پروفیسر صاحب نے سید امیر علی صاحب کے عقائد کے متعلق پھر بھی اس امر پر زور دیا ہے کہ ان کا قول اسلام کے خلاف حجت ہے اور یہ کہ ان کا وہی عقیدہ ہے جو پروفیسر صاحب نے بیان کیا تھا۔ مگر چونکہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے پہلے ہی ان کے مضمون کا جواب لکھنے میں دیر ہو گئی ہے۔ اسلئے میں سردست مباحثہ کے متعلق جو کچھ انہوں نے لکھا ہے اس کا جواب لکھ دیتا ہوں اور چند روز تک ان کے مضمون کے دوسرے حصہ کا جواب بھی انشاء اللہ شایع ہو جائیگا۔

میں نے طوالت بحث سے بچنے کے لئے اور آسانی سے فیصلہ ہو سکنے کی غرض سے اپنے مضمون کے آخر میں کچھ شرائط لکھی تھیں۔ اور پروفیسر صاحب سے ان کے متعلق انکی رائے دریافت کی تھی۔ پروفیسر صاحب نے اپنے جواب میں ان کے متعلق اپنی رائے دی ہے لیکن چونکہ انہوں نے جن شرائط کی تصدیق کی ہے۔ ان کے متعلق صرف منظوری کا ہی اعلان نہیں کیا بلکہ میرے مضمون کو اپنے الفاظ میں دہرایا ہے۔ اور بعض جگہ بعض الفاظ رہ گئے ہیں۔ اسلئے اس امر کے معلوم کرنے کے لئے کہ وہ الفاظ غلطی سے رہ گئے ہیں یا انکو ان پر اعتراض ہے میں یہ طریق اختیار کرونگا۔ کہ جن شرائط کو میرے نزدیک انہوں نے منظور کر لیا ہے۔ ان کے متعلق میں یہ تحریر کرونگا کہ پروفیسر صاحب نے ان کو منظور کر لیا ہے۔ اگر میری رائے غلط ہو تو پروفیسر صاحب میرے مضمون کے جواب میں اس حصہ کے متعلق جس سے ان کو اختلاف ہو اپنے خیالات کا اظہار کر دیں ورنہ یہ سمجھا جائیگا کہ ان کو اس سے اختلاف نہیں ہے :۔

۱۔ میں نے پہلی بات موجودہ بحث کے متعلق یہ لکھی تھی کہ پروفیسر صاحب قرآن کریم کے الہامی ہونے کے خلاف تین اعتراض جو انکو سب سے زبردست معلوم ہوں چن لیں۔ کیونکہ بحث کو محدود کرنے کے لئے اعتراضات کو محدود کرنا ضروری ہے۔ پروفیسر صاحب اس امر کو منظور کرتے ہیں۔

۲۔ میں نے لکھا تھا کہ ہر ایک اعتراض کی مثالیں بھی محدود ہوں۔ کیونکہ بعض اعتراض ایسے ہو سکتے ہیں کہ انکی مثالیں بیسیوں کی تعداد تک پہنچ جائیں۔ اور اگر معترض ایک عام اعتراض کرکے اسکی تائید میں بیسیوں مثالیں لکھ جائے۔ تو ان کا جواب بہت طویل عرصہ اور سینکڑوں صفحات کا محتاج ہوگا۔ پروفیسر صاحب کو اس پر اعتراض ہے۔ اور وہ اس امر کو محدود نہیں کرنا چاہتے۔ میرے نزدیک اس امر میں بھی حد بندی مناسب اور ضروری ہے۔ کیونکہ سوال کرنا ایک شخص کے اختیار میں ہے اور دوسرے فریق کا کام صرف جواب دینا ہے پس اسکے حقوق شرائط کے ساتھ محفوظ ہو جانے ضروری ہیں۔ ہاں اگر پروفیسر صاحب کو تین مثالیں اس اعتراض کی تشریح کیلئے کم معلوم ہوتی ہیں تو تین کی بجائے پانچ مثالوں کی حد مقرر کر لی جائے۔ مگر حد ضرور مقرر ہونی چاہیئے :۔

۳۔ میں نے لکھا تھا کہ ایک طریق یہ بھی ہے کہ پروفیسر صاحب قرآن کریم کے الہامی ہونے پر اعتراض کریں۔ اور میں ان کے جواب دوں۔ اور میں وید کے الہامی ہونے پر اعتراض کروں۔ اور وہ اس کا جواب دیں۔ پروفیسر صاحب گو اسکو منظور کرتے ہیں۔ لیکن یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک مذہب کے جھوٹا ثابت ہونے سے دوسرا کیونکر سچا ثابت ہو جائیگا۔ میرے نزدیک یہی بات ان کے خلاف بھی کہی جا سکتی ہے کہ آپکا مضمون تو دنیا کے آئندہ مذہب پر تھا۔ اگر اسلام جھوٹا ثابت ہو جائے تو ویدک دھرم کیونکر سچا ثابت ہو جائیگا۔ لیکن چونکہ وہ اسکو پسند نہیں کرتے میں اس سوال کو جانے دیتا ہوں۔

۴۔ میں نے لکھا تھا کہ سوال جواب کا طریق یہ ہو کہ پہلے معترض اپنا اعتراض پیش کرے۔ پھر مجیب جواب دے پھر معترض اس پر جرح کرے۔ اور پھر مجیب اس جرح کا جواب شائع کر دے۔ اور اسکے بعد بحث ختم سمجھی جائے۔ پروفیسر صاحب اسکے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ اگر بحث ایسی ہی ہو تو پھر یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ آخری موقعہ ایک ہی فریق کو ملے :۔

میں پروفیسر صاحب کی توجہ اس طرف پھیرنی چاہتا ہوں کہ آخری موقعہ صرف ایک فریق کو

اسلئے ماننا ضروری ہے کہ اعتراض کرنے کا موقعہ صرف ایک فریق کو ملتا ہے۔ یہ بات بالکل موٹی ہے۔ کہ جس نے جواب دینا ہو گا وہ آخر میں بولیگا۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص دو اعتراض کرے اور جواب دینے والا جب ایک اعتراض کا جواب دے چکے تو اسے کہدے کہ ایک سوال کے متعلق آخری دفعہ تم بول چکے ہو۔ اب میں نہ بولنے دونگا۔ کیونکہ آخری دفعہ بولنے کا موقعہ مجھے بھی ملنا چاہیئے جس شخص کی حیثیت مجیب کی ہوگی۔ اسکو آخر میں لازماً بولنا پڑیگا ورنہ وہ جواب کس طرح دیگا۔ دو دو دفعہ بولنے کا موقعہ تو صرف مزید وضاحت کیلئے رکھا گیا ہے۔ ورنہ اصل کیفیت تو یہ ہے کہ آپ سوال کرینگے۔ میں اس کا جواب دونگا۔ جب سوال آپکی طرف سے ہوگا۔ اور جواب میری طرف سے تو بہر حال میرا موقعہ آخری ہو گا۔ کیونکہ جواب ہمیشہ سوال کے بعد ہوتا ہے۔

اگر آپ نے آخر میں بولنے کا موقعہ ضرور لینا ہے تو اسکی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ اس بحث کے ساتھ ساتھ ایک اور بحث شروع ہو جسمیں میں ویدوں کے الہامی ہونے پر اعتراض کروں۔ پھر آپ جواب دیں۔ پھر میں جواب پر جرح کروں۔ اور آخر میں آپ اس جرح کے متعلق اپنے جوابات شایع کر دیں۔ اس صورت میں ایک بحث میں آپ کو بھی آخری موقعہ مل جائیگا۔ ورنہ یہ بات تو عقل کے خلاف ہے کہ سائل بھی آپ ہوں۔ اور جواب کا آخری موقعہ بھی آپ کو ملے۔ آخر میں تو بہر حال جواب دینے والا ہی بولیگا۔ اگر سوال کرنیوالا آخر میں موقعہ پائیگا تو اس بحث کا کوئی فائدہ ہی نہ ہو گا۔ پس اگر آخر میں موقعہ پانے کا آپ کو خاص خیال ہے۔ تو دو بحثوں کو ایک وقت میں شروع کیجئے۔ اور اگر صرف قرآن کریم کے الہامی ہونے پر ہی آپ نے اعتراض کرنا ہے تو پھر آخری موقعہ مجھے جس نے جواب دینا ہے۔ ملنا ضروری ہے۔

علاوہ ازیں پروفیسر صاحب یہ بھی تو دیکھیں کہ جو طریق میں نے بیان کیا ہے۔ اسی میں انصاف بھی ہے۔ کیونکہ دو ہی موقعہ ان کو ملتے ہیں۔ اور دو ہی مجھے ملتے ہیں۔ اسطرح کہ پہلے وہ اپنے اعتراض کو مفصل اور با دلائل بیان کرینگے۔ پھر میں ان کے اعتراض کا جواب دونگا اور جس امر پر ان کا اعتراض ہو گا۔ اسکی حقیقت بیان کروں گا۔ پھر دوسری دفعہ وہ میرے بیان پر جرح کرینگے۔ اور اس کے بعد مجھے دوسرا موقعہ ملیگا۔ اور میں انکی جرح کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔ پس دو موقعہ ان کو ملے۔ اور دو مجھے۔ لیکن اگر ان کی بات تسلیم کی جائے کہ بعض دفعہ ان کو آخر میں موقعہ دیا جائے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ انکو دو موقعہ ملینگے۔ اور مجھے ایک۔ کیونکہ سب سے پہلی دفعہ بوجہ سائل یا معترض ہونے کے انہیں موقعہ ہو گا۔ اسکے بعد مجھے پھر ان کو۔ پس ان کو دو موقعہ ملینگے۔ اور مجھے ایک اور یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ ایک امر کا ثابت کرنا بھی میرے ذمہ ہو۔ جو خود آپ کی تحریر کے مطابق اعتراض کی نسبت مشکل ہوتا ہے۔ اور موقعہ بھی مجھ کو ایک ہی دیا جائے۔

پروفیسر صاحب نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ معترض تینوں اعتراضات اکٹھے شایع کر دے بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ مجیب جس سوال کا چاہے پہلے جواب دے۔ اور جس کا چاہے پیچھے جواب دے۔ میں اس کے متعلق اسقدر لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ پروفیسر صاحب نے یہ جو سہولت رکھی ہے کہ مجیب جس سوال کا چاہے جواب پہلے دے۔ اور جس کا چاہے پیچھے۔ اس سہولت پر ان کا ممنون ہوں لیکن اس کی بھی مجھے ضرورت نہیں۔ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس امر کے لئے تیار ہوں کہ جس سوال کو وہ پہلے رکھیں میں اسی کا جواب پہلے لکھوں۔ صرف میری اس قدر خواہش تھی کہ تینوں سوالات ایک ساتھ بیان ہو جائیں تا اعتراضات کا حلقہ جواب دیتے وقت مدنظر رہے اور مجیب اپنے وقت اور فرصت کا خیال رکھ سکے۔

یہ بات بھی ضروری نہیں کہ تینوں سوالات کو پہلی ہی دفعہ مشرح اور واضح کر کے با دلائل بیان کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی اجازت ہوگی۔ کہ جس سوال کا جواب پروفیسر صاحب پہلے لینا چاہیں اسکے متعلق پوری تشریح سے اپنے سوال کو معہ ان دلائل کے جن کی بنا پر ان کو وہ اعتراض پیدا ہوئے ہیں۔ شایع کرا دیں۔ اور دوسرے سوالات کو مجملاً بیان کر دیں۔ اور پھر انکی باری پر انکی تشریح کر دیں۔

اسجگہ میں یہ بھی لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ سوال کرنے سے میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ پروفیسر صاحب صرف سوال ہی لکھ دیں۔ بلکہ ان کو اجازت ہوگی۔ کہ وہ اپنے اعتراض کو زور دار بنانے کے لئے جسقدر چاہیں وضاحت کو کام میں لائیں۔ اور وہ وجوہات بہ تفصیل بیان کریں جنکی بنا پر انکو وہ اعتراض پیش کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے۔ اور جنکی بنا پر اس مسئلہ کو پیش کردہ اعتراض کرینگے۔ وہ قرآن کریم کے الہامی ہونے کے خلاف سمجھتے ہیں۔ گویا سوال نام اس اعتراضی پرچہ کا ہو گا۔ جسمیں ایک خاص مسئلہ کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ قرآن کریم کے غیر الہامی ہونے کے خلاف بحث کرینگے۔ یہ تو ان کے حقوق کی حد ہے۔ آگے ان کا یہ اختیار ہے کہ صرف سوال ہی پیش کر دیں۔ اور میرے جواب پر جرح کرنے پر ہی اکتفا کریں۔

میں اسجگہ پروفیسر صاحب کی اس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دینا چاہتا ہوں کہ الزامی جوابات کی اجازت نہ ہوگی میرے کسی حصہ مضمون میں یہ بات نہیں آئی کہ الزامی جوابات کی اجازت نہ ہوگی۔ مجیب کے دائرہ جواب کو محدود نہیں کیا جا سکتا اگر وہ ایسے الزامی جواب ہی دیگا جس سے یہ معلوم ہو کہ اگر اس کا مذہب جھوٹا ہے تو معترض کا بھی جھوٹا ہے۔ تو خود اُسے نقصان پہنچیگا۔ لیکن اگر وہ سائل کو یہ بات سمجھانے کے لئے کہ جس بات کو وہ صداقت کے خلاف سمجھتا ہے وہ صداقت کے خلاف نہیں۔ کیونکہ وہی یا ویسی ہی بات یا اس سے بڑھ کر کوئی بات اس مذہب میں موجود ہے۔ جسے وہ سچا سمجھتا ہے۔ تو اس کو اس امر سے روکنا انصاف کے بالکل خلاف ہے۔ الزامی جواب ہمیشہ کمزوری پر دلالت نہیں کرتا۔ بلکہ بسا اوقات ایک صداقت کو منوانے کے لئے سب سے چھوٹا راستہ ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی انسان پر یہ اعتراض کرے۔ کہ تو شریف آدمی نہیں ہے۔ اور میں شریف آدمی ہوں۔ کیونکہ تو فلاں کام کرتا ہے اور وہ کام شرافت کے خلاف نہ ہو۔ اور وہ شخص جس پر اعتراض ہوا ہے۔ آگے سے یہ جواب دیدے۔ کہ یہ کام تو تو بھی کرتا ہے تو اسے کوئی الزامی جواب کہہ کر کمزور نہ کہیگا۔ یہ جواب تو سب سے زیادہ قریب الفہم ہو گا۔ اور بہت جلد دوسرے آدمی کی سمجھ میں آ جاویگا۔ کہ میری غلطی تھی۔ الزامی جواب اسی وقت کمزور ہوتا ہے۔ جبکہ وہ بات جس پر اعتراض کیا گیا ہو۔ واقعہ میں بری ہو۔ اور مجیب اپنے عیب کو اس پردہ میں چھپانا چاہے کہ دوسرا بھی ویسے ہی عیب میں مبتلا ہے۔ غرض الزامی جواب کا دروازہ بند نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ اس کی بعض اقسام حقیقی جواب ہی کی طرح مضبوط ہوتی ہیں۔ اور تصفیہ کی صورت پیدا کرنے میں بہت ممد ہوتی ہیں۔

اسجگہ ایک سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ الزامی جواب اعتراض کا رنگ رکھتا ہے اور جب مجیب کو بھی الزامی جواب دینے کی اجازت ہوگی۔ تو گویا اس حصہ میں مجیب سائل ہو جائیگا اور سائل مجیب ہو جائیگا

اور وہی بے انصافی کا سوال آجائیگا کہ آخری پرچہ سائل کا ہوگا سو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اس بے انصافی کے دور کرنے کے لیئے یہ صورت کی جاسکتی ہے کہ مجیب کے پہلے پرچہ میں جو الزامی جوابات آئیں۔ اسکے جواب سائل دے تو اس حصہ کی بحث وہیں ختم سمجھی جائے۔ اور آخری پرچہ میں ان الزامی جوابات کا ذکر مجیب کرے۔ ہاں یہ ضروری ہوگا کہ مجیب کے جواب پر یہ نوٹ کر دیا جائیگا کہ اسے ان الزامی جوابات کا جواب الجواب دینے کی اجازت نہ تھی۔

اخبارات میں اس بحث کی اشاعت کے متعلق پروفیسر صاحب نے پسند کیا ہے کہ انکے سوالات اور میرے جوابات اور پھر جواب الجواب اور پھر اس کا جواب بطور ضمیمہ پرکاش و الفضل شایع ہوجائیں پرکاش کے ضمیمہ کا خرچ انکے ذمہ ہوگا۔ اور الفضل کے ضمیمہ کا خرچ میرے ذمہ۔ میرے نزدیک بہتر تو یہ تھا کہ بجائے الگ ضمیمہ شایع کرنے کے دونوں اخبارات کے ان نمبروں کے جنمیں ہمارے سوال و جواب چھپیں صفحہ بڑھا دیئے جایا کریں۔ لیکن اگر یہ بات ناممکن ہو تو یہ ضرور ہونا چاہیئے۔ کہ الفضل اور پرکاش دونوں کے ایڈیٹر اس ذمہ واری کو اٹھائیں کہ وہ خود اطمینان کر لیا کرینگے کہ تمام خریداروں کو ضمیمہ بھیجدیا گیا ہے الفضل کی طرف سے میں یہ اقرار کرتا ہوں کہ اسمیں اصل اخبار میں ہی پروفیسر صاحب کے اور میرے مضامین شایع ہونگے۔ اور حسب ضرورت اخبار کے صفحات بڑھا دیئے جایا کرینگے۔

پروفیسر صاحب نے اس امر کو بھی منظور کیا ہے کہ مشترک خرچ پر اس مباحثہ کے سب مضامین بلاکم و کاست متحدہ انتظام کے ماتحت کتابی صورت میں بھی شایع کرائے جائیں۔ اور بعد میں کتب تقسیم کر لی جائیں۔

کلام کے معانی کرنے کے متعلق پروفیسر صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ سیاق و سباق اور صرف و نحو اور بیان و معانی اور محاورہ زبان اور لغت اور اس کتاب کا محاورہ حجت ہوگا یا سند کے طور پر علوم مسلمہ کو انہی شرائط کے ساتھ جن شرائط کے ساتھ انکی باتیں تسلیم کی جاتی ہیں پیش کیا جاسکیگا۔

یہ بھی پروفیسر صاحب نے تسلیم کر لیا ہے۔ کہ کسی مضمون کا جواب تین ماہ سے زائد عرصہ میں شایع نہ ہوگا اگر کسی فریق کی طرف سے اس عرصہ میں جواب شایع نہو تو بحث کا خاتمہ سمجھا جائیگا اور اسی صورت میں مباحثہ کے مضامین شایع کرا دیئے جائینگے۔

چونکہ سوائے چند باتوں کے جنپر پروفیسر صاحب کو اعتراض تھا باقی سب امور طے شدہ ہیں اور چونکہ انکے متعلق بھی میں اب وضاحت کر چکا ہوں اسلیئے اگر پروفیسر صاحب کو میری اوپر کی تحریر سے اتفاق ہو تو وہ ان تین اعتراضات کو شایع کرا دیں جنکی بنا پر قرآن کریم کو الہامی ہونے میں انکو کلام ہے۔ اور ان اعتراضات کو وضاحت سے بیان کر دیں جنکا تصفیہ سب سے پہلے کرانا وہ پسند کرتے ہوں ان کے مضمون کے شایع ہونے پر میں ان کا مضمون الفضل میں شایع کرا دونگا اور اسکا جواب بھی شایع کرا دونگا اور اسی طرح یہ سلسلہ مطابق شرائط چلتا چلا جائیگا۔ خاکسار مرزا محمود احمد

پیشگوئیوں کے اُصول

میر محمد اسحٰق صاحب کی تقریر

غیر احمدی مولویوں کے اعتراضات کے جواب دینے کے لیئے ۲۰ مارچ سنہ ۱۹۲۱ء کو جو جلسہ ہوا اسمیں مکرم میر محمد اسحٰق صاحب نے پیشگوئیوں کے اصول کے متعلق حسب ذیل تقریر فرمائی۔

میرا مضمون حضرت مسیح موعود کی صداقت پر ہے۔ اور اس میں پیشگوئیوں کا حصہ زیادہ ہے۔ قبل اسکے کہ میں ان پیشگوئیوں کا تذکرہ کروں۔ جو پوری ہو چکی ہیں یا وہ پیشگوئیاں جنپر مخالفین کو اعتراض ہے۔ اور میں اُن کا جواب دُوں پہلے میں پیشگوئیوں کے متعلق اُصول اور فیصلہ کن باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اور چونکہ ہمارے مخالفین قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔ اور ہم بھی مانتے ہیں اسلیئے ہم قرآن و حدیث کو حکم بنائینگے اور جو وہ فیصلہ کرتے ہیں اُسکے مطابق تصدیق یا تکذیب کرینگے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول کہ اگر تم میں جھگڑا ہو تو اللہ و رسول کی طرف فیصلہ کیلئے رجوع کرو۔

پس ہم اگر حضرت مسیح موعود کی تصدیق میں کھڑے ہوتے ہیں تو ہمیں قرآن کریم کے اُصول کے مطابق تصدیق کرنی چاہیئے اور اگر ہمارے مخالف حضرت اقدس کی کسی پیشگوئی پر اعتراض کرتے ہیں تو قرآن کریم کے پیش کردہ اصول کے مطابق اعتراض کرنے چاہئیں۔

اب ہم قرآن کریم سے پیشگوئیوں کے متعلق اُصول لیتے ہیں۔

پہلا اصل پہلی بات اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احداً ۝ الا من ارتضیٰ من رسول (پارہ ۲۹ ع ۱۲) الغیب کا جاننے والا خدا ہے کسی کو اپنے غیب پر نہیں بتاتا۔ مگر اللہ کے رسول کو۔ وہ بات جو انسانی قیاس و علم سے بالا ہے اور جس تک انسان کی پہنچ نہیں وہ خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔ اگر کسی انسان کی زبان سے تم ایسی بات سنتے ہو تو جان لو کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ وہ باتیں جو قانون قدرت کے ماتحت ہیں۔ مثلاً رمضان کب ہوگا۔ کل کیا دن ہے۔ دسمبر میں سردی ہوتی ہے۔ یہ غیب نہیں۔ غیب سے مراد وہ باتیں ہیں جو انسانی قیاس سے بالا ہوں۔

دوسرا اصل اسپر سوال ہوتا ہے کہ کوئی شخص کتنی باتیں بتائے جو پوری ہوں تو وہ الغیب کی باتیں سمجھی جائیں اور وہ الا خدا کا رسول قرار پائیگا۔ اس کیلیئے میں قرآن کریم سے ہی ایک اور اصل بتاتا ہوں۔

حضرت موسیٰ فرعون کے دربار میں جاتے ہیں وہاں ایک مباحثہ ہوتا ہے آل فرعون ہی میں سے ایک شخص خفیہ مومن تھا۔ وہ ایک اصل پیش کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسکو بغیر تردید کے کلام مجید میں نقل کرتا ہے وہ میں پڑھتا ہوں فرمایا:۔ وان یک کاذباً فعلیہ کذبہ وان یک صادقاً یصبکم بعض الذی یعدکم (پارہ ۲۴ ع ۹) اگر یہ مدعی جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی کو نقصان پہنچائیگا۔ اور اگر یہ سچا ہے تو یصبکم بعض الذی یعدکم۔ اسمیں سے بعض تم کو پہنچ جائینگی جن کا تم کو وعدہ دیتا ہے۔

اس اصول کے مطابق نبی اور رسول جس قدر پیشگوئیاں کرتے ہیں ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے اگر بعض بھی پوری ہوں تو وہ نبی سچا ہے اور جو انکار کرے وہ سخت غلطی پر اور بڑا مجرم ہے۔ یہ بات کہ ساری پیشگوئیاں پوری ہوں تب کوئی سچا ثابت ہوتا ہے قرآن کریم کی رو سے درست نہیں بلکہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ بعض پوری ہوں تب بھی پیشگوئی کرنیوالا سچا ہے۔ اسکے لیئے ایک عقلی معیار بھی ہے جو میں پیش کرتا ہوں اور اس وقت جو ہمارے مخالف بیٹھے ہیں وہ نوٹ کر لیں۔ کہ اگر یہی بات درست ہو کہ جب تک کسی کی تمام کی تمام پیشگوئیاں پوری نہ ہوں اس وقت تک وہ نبی ثابت نہیں ہو سکتا۔ تو کوئی نبی نہیں جسکی نبوت ثابت ہو۔ ہر ایک نبی نے وعدہ دیا ہے۔ اور ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی وعدہ فرمایا کہ مومنوں کو بہشت ملیگی اور اسمیں حور اور قصور اور غلمان ہونگے۔ اور اس اس قسم کی نعمتیں ملینگی اب اس اصول کے ماننے والے کہ سب پیشگوئیاں پوری ہوں تو مانیں قیامت تک انتظار کرتے رہینگے۔ اور پھر قیامت کے بعد بھی ان کے لیئے موقعہ نہیں۔ کیونکہ پیشگوئی کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے وہاں رہنا ہوگا اسلیئے چاہیئے کہ کبھی بھی نہ مانیں۔ کیوں؟ اگر مان لیا۔ اور پھر وہ ہمیشگی منقطع ہوگئی تو کیسے پیشگوئی سچی ہوئی۔ اسلیئے کبھی بھی اس اصول کے ماننے والوں کیلیئے کسی نبی کی صداقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

پھر حدیث میں دجال کے متعلق پیشگوئی ہے۔ انکے نزدیک ابو بکر کو نہیں ہوئی چاہیئے کہ جب وہ پوری ہو اسوقت آنحضرت ؐ کو مانیں۔ ورنہ اسوقت ماننے کی ان کا اُصول ان کو اجازت نہیں دیتا۔ پھر اگر سب پیشگوئیاں پوری ہوتی دیکھ کر ماننا ہی خوبی اور فضیلت ہے۔ تو حضرت ابو بکر رض کو امت محمدیہ میں کوئی فضیلت نہیں۔ نعوذ باللہ ابو جہل ابو بکر رض صدیق سے افضل ٹھہریگا۔ کیونکہ اس نے آنحضرت ؐ کو تسلیم نہیں کیا۔ اسلیئے کہ اس نے آپ کی سب پیشگوئیوں کو پورا ہوتے نہیں دیکھا۔

پس قرآن کریم نے کسی کی صداقت ثابت کرنے کے لئے بعض پیشگوئیوں کا پورا ہونا لازمی ٹھہرایا ہے اور جب ہم بعض پوری ہوتی دیکھ لیں ۔ تو مان لیں اور اسی کے ہم مکلف ہیں ۔ سب کے لئے ہم مکلف نہیں مگر وہ چند باتیں "الغیب" والی ہونی چاہئیں ؛

دوسرا اصل قرآن نے یہ بیان فرمایا ہے ۔ کہ وما نرسل بالآیات الا تخویفا (پارہ ۱۵ ۔ ع ٦) ہم نشانیاں نہیں بھیجتے مگر خوف دلانے کے لئے ۔ نشانیوں کی غرض ڈرانا ہے ۔ اگر کسی نبی نے کسی کے مرنے کی پیشگوئی کی ہے ۔ لیکن وہ ڈر جاتا ہے ۔ اور اس طرح موت سے بچ جاتا ہے تو پیشگوئی پوری ہو گئی ۔ کیونکہ وہ غرض پوری ہو گئی ۔ جس کے لئے پیشگوئی تھی ۔ اور جب تائب ہو جائے تو سزا کی ضرورت نہیں رہتی ۔

یہ بات عقلاً بھی سوچنی چاہیئے ۔ کہ اگر کوئی نبی اپنے کسی مکذب کی موت کی پیشگوئی کرتا ہے ۔ لیکن وہ توبہ کرتا ہے ۔ اب باوجود توبہ کرنے کے وہ مر جائے ۔ تو ایمان بے فائدہ ٹھہرتا ہے ۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے ۔ کہ ایک طبیب کسی کے لئے کوئی نسخہ تجویز کرتا ہے ۔ اور وہ شخص بغیر نسخہ کے استعمال کئے ہی اچھا ہو جاتا ہے ۔ اب کیا وہ طبیب اس مریض پر خفا ہوگا کہ تم نے میرا نسخہ ضائع کر دیا ۔ جب لکھوایا تھا ۔ تو کیوں نہ استعمال کیا ۔ ہرگز نہیں ۔ بلکہ وہ خوش ہوگا ۔ کہ جو غرض تھی ۔ وہ پوری ہو گئی ۔ اس لئے نسخہ کی ضرورت ہی نہ رہی ۔ پس جب ایک انسان توبہ و رجوع کرتا ہے ۔ تو خدا اس کو کیوں ہلاک کرے ۔

تیسرا اصل پیشگوئیوں کے لئے ایک اور اصول اللہ تعالے نے یہ بیان فرمایا ہو واذا بدلنا آیۃ مکان آیۃ واللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر" (پارہ ۱۴ ۔ ع ۲۰) اور جب ہم ایک آیت کی بجائے دوسری آیت بدل دیتے ہیں ۔ اور اللہ اس چیز کو جو وہ اتارتا ہے خوب جانتا ہے ۔ تو مخالفین کہتے ہیں ۔ کہ یہ تو مفتری ہے ۔ نبی [illegible] پیشگوئی کرتا ہے ۔ اور جو وہ کہتا ہے وہ ایک بڑا نقصان ہوتی ہے ۔ اس لئے اس کو آیت کہا گیا ۔ مگر خدا اس کی بجائے ایک دوسرا نشان ظاہر کر دیتا ہے ۔ کیونکہ پیشگوئی تو اصل خدا کی طرف سے ہوتی ہے ۔ وہ اسکے مطلب کو خوب جانتا ہے ۔ جو وہ نازل کرتا ہے ۔ اور اسی کے مطابق تو پیشگوئی ظہور پذیر ہوتی ہے ۔ جب ایسا ہوتا ہے ۔ تو "قالوا انما انت مفتر" مخالف کہتے ہیں ۔ کہ یہ جھوٹا ہے ۔

یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض پیشگوئیوں کا ہے ۔ آپ نے کچھ اور سمجھا اور مخالفین کچھ اور سمجھے ۔ مگر خدا تعالے جس کا کلام تھا ۔ وہ اصل حقیقت و مطلب سے واقف تھا ۔ اس نے جب اس کے مطابق کیا ۔ تو مخالفین نے جھٹ آپ پر فتویٰ افترا لگا دیا ۔ حالانکہ پیشگوئی حضرت مرزا صاحب کا اپنا قول نہ تھا ۔ خدا کا قول تھا ۔ اگر حضرت مرزا صاحب اس سے کچھ اور مطلب سمجھے تو پیشگوئی میں کوئی نقص نہیں آسکتا ۔ کیونکہ کلام ان کا نہیں ۔ خدا کا ہے ۔ اور خدا جو اس کا صحیح مطلب جانتا ہے ۔ اس نے اس کی حقیقت کے مطابق اسے پورا کر دیا ۔ اس پر جہلا نے کہدیا ۔ کہ یہ جھوٹا ہے ؛

اس کی ایک مثال دیتا ہوں ۔ بخاری میں ایک حدیث آتی ہے ۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے آپ کی بیویوں نے پوچھا ۔ کہ جب آپ فوت ہو جائینگے ۔ تو سب سے پہلے کونسی بیوی آپ سے ملیگی ۔ حضور نے فرمایا اسرعکن لحوقا بی اطولکن یدا تم میں سب سے پہلے مجھ سے وہ ملے گی ۔ جس کے سب سے لمبے ہاتھ ہیں ۔ حضور کی بیویوں نے سرکنڈے کا ٹکڑا منگوایا اور ناپنے لگیں ۔ تو حضرت سودہ کے ہاتھ سب بیویوں سے لمبے نکلے ۔ رسول کریم کے سامنے ہاتھ ناپے گئے اور آپ خاموش دیکھتے رہے ۔ لیکن جب آپ کا انتقال ہوا ۔ تو آپ کے بعد بجائے سودہ کے حضرت زینب کا انتقال سب بیویوں سے پہلے ہوا ۔ اس وقت فیصلہ کیا گیا ۔ کہ لمبے ہاتھ سے مراد ظاہری ہاتھوں کی لمبائی نہیں ۔ بلکہ اس سے مراد سخاوت ہے اس سے ظاہر ہے ۔ کہ جو کچھ پہلے سمجھا گیا ۔ وہ نہ ہوا ۔ بلکہ جو کچھ خدا کے نزدیک تھا ۔ وہ ہوا ۔

اسی طرح محمدی بیگم کے متعلق جو اعتراض ہیں ۔ وہ فضول ہیں ۔ کیونکہ خدا نے جس نے وہ کلام نازل کیا تھا ۔ جس طرح درست تھا ۔ اس طرح کیا ۔ اسلئے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا ۔

پھر ایک اور مثال ہے ۔ حضرت نوح کو الہام ہوتا ہے ۔ کہ اب تمہاری قوم میں سے اور لوگ ایمان نہیں لائینگے ان پر غم مت کرو ۔ ہاں ایک کشتی بناؤ ۔ اور ظالموں کے بارے میں ہم سے مت خطاب کرو ۔ انہوں نے کشتی تیار کی خدا کے وعدے کے مطابق پانی کا طوفان اٹھا اور نوح نبی کو حکم ہوا ۔ کہ اپنے اہل و عیال اور ساتھیوں وغیرہ کے ساتھ اس پر سوار ہو جاؤ ۔ وہ سوار ہو گئے ۔ آخر طوفان تھم گیا ۔ ہلاک ہونے والے ہلاک ہو گئے ۔ جن میں حضرت نوح کا بیٹا بھی ہلاک ہو گیا ۔ اس وقت حضرت نوح نے جو کچھ کہا اور اس کے متعلق جو خدا تعالے فرماتا ہے یہ ہے ونادیٰ نوح ربہ فقال رب ان ابنی من اھلی وان وعدک الحق وانت احکم الحاکمین ۔ قال یٰنوح انہ لیس من اھلک انہ عمل غیر صالح فلا تسئلن مالیس لک بہ علم انی اعظک ان تکون من الجاھلین (پارہ ۱۲ ع ۴) ۔ اس وقت کسی اور نے نہیں خود حضرت نوحؑ نے ادب سے پوچھا ۔ اور عرض کیا ۔ کہ اے خدا تیرا وعدہ تھا ۔ کہ میرے اہل بچائے جائینگے ۔ اور میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا ۔ وہ نہیں بچا آپ کا وعدہ تو سچا ہے ۔ اور آپ بہتر فیصلہ کرنیوالے ہیں ۔ لیکن یہ بات کیا ہوئی ۔ اللہ تعالے حضرت نوح کو جواب دیتا ہے ۔ کہ اے نوح بیشک ہمارا وعدہ تھا ۔ کہ تیرے اہل کو بچائیں گے ۔ مگر تیرا بیٹا تیرا اہل نہ تھا ۔ کیوں اہل نہ تھا ۔ اس لئے کہ وہ تیرے خلاف تھا ۔ اور اس کے اعمال غیر صالح تھے ۔ پھر فرمایا مت پوچھ مجھ سے وہ بات جس کا تجھے علم نہیں ۔ میں تجھے وعظ کرتا ہوں کہ تو جاہلوں سے مت ہو ۔

اب دیکھو حضرت نوح سے وعدہ تھا ۔ کہ ان کے اہل بچائے جائیں گے ۔ وہ اس سے ظاہری اہل سمجھے اسی لئے اپنے بیٹے کے ہلاک ہونے پر خدا کو اس کا وعدہ یاد دلاتے ہیں ۔ مگر خدا جس نے نوح کو وعدہ دیا تھا ۔ وہ جانتا تھا ۔ کہ اس سے کیا مراد ہے ۔ جب اپنی سمجھی ہوئی بات کے مطابق حضرت نوح نے پوچھا ۔ تو خدا نے

بتایا کہ ہم نے کب کہا تھا کہ تیرے ظاہری اہل بچائے جائینگے۔ وہ تیرا بیٹا تیرا ظاہری اہل تھا۔ ہمارا اس کی حفاظت کا وعدہ نہ تھا۔ اسلئے وہ ہلاک ہوا۔ اسپر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ یہ تو جہلاء کا طریق ہے کہ بدلنا آیۃ مکان آیۃ کی حقیقت کو نہ سمجھیں۔ آپ نبی ہیں آپ کو یہ اعتراض نہیں کرنا چاہیئے ۔

چوتھا اصل

ایک اور بات پیشگوئیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ۔ (پارہ اول رکوع ۱۳) ہم کسی نشان کو منسوخ نہیں کرتے۔ مگر لاتے ہیں اس سے بہتر یا اس جیسا کوئی اور پیشگوئیوں میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ ہم کسی کو دس روپے دینے کا وعدہ کریں اور دس کی بجائے پندرہ دیدیں تو وعدہ جھوٹا نہیں کیا گیا۔ بلکہ بڑھکر پورا کیا گیا اس کی مثال قرآن کریم میں یوں آتی ہے۔ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (پارہ ۹ ع ۷)
وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ہم نے اسکو ساتھ دس کے۔ پس خدا کا وعدہ چالیس رات میں پورا ہوا۔ کیا اسمیں کوئی خدا پر نعوذ باللہ جھوٹ کا الزام لگا سکتا ہے کہ تیس رات کا وعدہ چالیس میں پورا کیا۔ کوئی نہیں اسلئے کہ خدا کی ملاقات کے لئے اگر تیس رات کی بجائے چالیس راتیں صرف ہوں۔ تو یہ عین خوشی کی بات ہے ۔

پانچواں اصل

مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ (پارہ ۱۳ ع ۱۲) کوئی رسول نہیں جو بغیر اللہ کے اذن کے کوئی نشان لائے ہر ایک وعدے کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ اور اصل کتاب اس کے پاس ہے ۔
خدا تعالیٰ کے نبی خدا کی وحی سے پیشگوئی کرتے ہیں اپنے پاس سے نہیں کرتے۔ اور ہر ایک وعدہ کیلئے خدا کے ہاں وقت مقرر ہے۔ اور ان وعدوں میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے۔ مٹاتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے۔ کیونکہ اصل علم اسی کے پاس ہے۔

اس کی مثالیں یہ ہیں۔ حضرت موسیٰ کی قوم سے وعدہ تھا۔ اور پختہ وعدہ تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کے الفاظ قرآن کریم میں یہ ہیں کہ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (پارہ ۶ ع ۸)
اے قوم ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ۔ یہ خدا نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ مگر باوجود اس حتمی کے وعدے کے جب قوم نے اپنے آپ کو اہل ثابت نہ کیا اور کہدیا۔ کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (پارہ ۶ ع ۸) تو وہی ارض مقدسہ جو ان کیلئے لکھ دی گئی تھی اسکے متعلق صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ :۔ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ (پارہ ۶ ع ۸) کہ وہی ارض مقدسہ جو بنی اسرائیل کے لئے لکھ دی گئی تھی۔ ان کیلئے حرام کر دی گئی ہے۔ چالیس سال تک جنگلوں میں بھٹکتے پھریں۔ دیکھو ادھر تو فرمایا کہ وہ تمہارے نام لکھ دی گئی ہے جاؤ اور قابض ہو جاؤ۔ اور ادھر کہدیا گیا کہ حرام کر دی گئی ۔

حضرت مسیح موعود کا دعائیہ اشتہار

حضرت مسیح موعود نے دعائیہ اشتہار مولوی ثناء اللہ کے متعلق شائع کیا۔ مولوی ثناء اللہ نے اس طریق فیصلہ کے ماننے سے انکار کیا۔ اسپر مولوی ثناء اللہ کہا کرتے ہیں کہ میرے انکار سے کیا ہوتا تھا۔ خدا کو چاہیئے تھا کہ اپنے نبی کی دعا سنتا میں خواہ اس طریق فیصلہ کو نہ مانتا۔ تب بھی مجھے مرزا صاحب سے پہلے مرنا چاہیئے تھا۔ لیکن یہ انکی بات غلط ہے۔ اور قرآن کریم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر کسی کے انکار کا کچھ اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔ تو ضرور قوم موسیٰ کو ارض مقدسہ ملنی چاہیئے تھی۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ قوم موسیٰ کے انکار سے چالیس سال تک کے لئے ان پر حرام کر دی گئی۔ غرض انکار کا اثر ضروری ہے۔ ایسا مثال احادیث میں بھی ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ مجھے قیصر و کسریٰ کے خزائن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ حضور کو یہ کنجیاں نہیں ملیں۔ بلکہ حضرت عمرؓ کو ملیں۔ اسلئے ہو سکتا ہے کہ نبی کے ساتھ جو وعدہ ہو اس کا ایفاء نبی کے متبعین میں سے کسی کے ساتھ کیا جائے ۔

حضرت مسیح موعود کی عمر پر اعتراض

حضرت مسیح موعود کی عمر پر اعتراض کیا گیا ہے۔ مگر تعجب ہے۔ کہ یہاں تو مولوی ثناء اللہ مخالف اعتراض کرتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت عمرؓ کو اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے بخاری میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تلوار کھینچ لی اور کہا کہ جو کہیگا کہ آپ مر گئے ہیں میں اسکو مار دونگا۔ کیونکہ ابھی تو آپ نے منافقوں کے ناک کان کاٹنے ہیں اسوقت حضرت ابوبکر صدیق نے انکو سمجھایا تب انہوں نے اپنی تلوار نیام میں کی (بخاری باب فضل ابی بکر)
اسی طرح یہاں بھی اعتراض ہوتا ہے جیسا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (۲۳-۱۹)
پس مسیح موعود پر کوئی ایسا اعتراض نہیں کیا جا رہا جو پہلوں پر کیا گیا ہو ۔

صلح حدیبیہ کی مثال

اسی طرح ایک اور مثال ہے صلح حدیبیہ کے وقت آنحضرت صلعم نے عمرہ کا سارا سامان کے ساتھ ایک خواب کی بناء پر کئی ہزار فوج لے کر مکہ کی طرف کوچ کیا۔ لیکن کفار نے روک دیا اور تمام لوگوں کو ابتلاء آ گیا اور حضرت عمرؓ کو سخت ابتلاء آیا۔ انھوں نے آنحضرت صلعم کے پاس جا کر کہا کیا آپ خدا کے رسول نہیں اور کیا ہم حق پر نہیں آپ نے فرمایا میں خدا کا رسول بھی ہوں اور ہم حق پر بھی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا آپ ہمیں نہیں کہا کرتے تھے کہ لتدخلن المسجد الحرام الایہ۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس سال ایسا ہوگا۔ ہاں ہوگا۔ پھر آپ ابوبکر صدیق کے پاس گئے۔ انہوں نے سمجھایا تب مطمئن ہوئے۔ پھر رسول کریم کو مقام ہجرت دکھایا گیا مگر آپ نے جو سمجھا وہ نہ نکلا بلکہ اور نکلا۔

یہ ہیں اصول پیشگوئیوں کے دیکھنے کے ۔

اس تقریر کا باقی حصہ ۱۲ مارچ ۱۹۲۱ء کو جناب میر صاحب نے حسب ذیل بیان کیا :۔

صداقت مسیح موعود

محکمات و متشابہات

آپ نے آیۃ شریفہ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ

قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ (پ ۳ ع ۹)

میری تقریر کے دو حصہ ہیں۔ اول وہ پیشگوئیاں جن پر اعتراض ہے۔ دوم جو بنا ر صداقت ہیں جنمیں گنجائش اعتراض نہیں۔

مولوی ثناء اللہ سے آخری فیصلہ۔

سب سے پہلے میں مولوی ثناء اللہ کے متعلق جو حضرت اقدس کا اشتہار ہے وہ لیتا ہوں۔ اس کا عنوان ہے مولوی ثناء اللہ سے آخری فیصلہ۔ اس میں حضرت اقدس نے خدا سے دعا کی تھی کہ خدایا جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہو۔ اور یہ مضمون مولوی ثناء اللہ کے پاس بھیجا کہ آپ اس کو اپنے اخبار میں چھاپ دیں۔ اور جو چاہیں اسکے نیچے لکھ دیں "اب فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے" جب یہ مضمون مولوی ثناء اللہ کے پاس گیا تو اس نے اپنے ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء کے پرچہ اہلحدیث میں درج کیا۔ اور اسکے نیچے لکھا کہ:-

"آپ اس دعویٰ میں قرآن شریف کے صریح خلاف کہتے ہیں۔ قرآن تو کہتا ہے کہ بدکاروں کو خدا کی طرف سے مہلت ملتی ہے"

"سنو من کان فی الضلالۃ فلیمدد لہ الرحمن مدا اور انما نملی لھم لیزدادوا اثما اور یمدھم فی طغیانھم یعمھون وغیرہ آیات تمہاری اس دلیل کی تکذیب کرتی ہیں"

اور سنو! بل متعنا ھؤلاء و اباءھم حتی طال علیھم العمر جس کے صاف معنے ہیں کہ خدا تعالےٰ جھوٹے دغاباز۔ مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے۔ تاکہ وہ اس مہلت میں اور بھی برے کام کریں" وغیرہ۔

ادھر تو حضرت اقدس نے یہ طریق فیصلہ پیش کیا اور دعا کی جو کسی الہام و وحی کے ماتحت نہ تھی۔ بلکہ محض ایک دعا تھی خدا کے حضور تھی اور طریق فیصلہ تھا۔ جو ثناء اللہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ مگر ثناء اللہ نے اس پر مندرجہ بالا الفاظ لکھے چونکہ حجت مولوی ثناء اللہ پر کرنی تھی۔ اور وہ اسی کے مسلمات سے ہو سکتی تھی۔ اسلئے جو طریق اس نے پسند کیا اسی کے مطابق خدا نے حضرت مسیح موعود کو وفات دیکر اس کو نافرمان۔ مفسد اور بدکار ثابت کیا (مطابق اصول پیش کردہ اخبار اہلحدیث) لیکن ایک اور بات بھی ہے وہ یہ کہ حضرت اقدس نے اپنی کتاب اعجاز احمدی کے صفحہ ۳۷ پر لکھا تھا کہ:

"یہ واضح ہے کہ مولوی ثناء اللہ کے ذریعہ سے عنقریب تین نشان میرے ظاہر ہونگے"

دوسرا نشان یہ ہے کہ:-

"(۲) اگر اس چیلنج پر وہ مستعد ہوئے کہ کاذب صادق کے پہلے مرجائے تو ضرور وہ پہلے مرینگے"

یہ ایک پیشگوئی تھی جو سنہ ۱۹۰۲ء میں کی گئی۔ مگر دیکھو سنہ ۱۹۰۷ء میں وہ لکھتا ہے کہ یہ طریق فیصلہ مجھے منظور نہیں کہ کاذب صادق کے پہلے مرے۔ اسلئے خدا نے اس کو زندہ رکھا۔ اور حضرت مسیح موعود کو وفات دیدی÷

قادیان میں طاعون کی پیشگوئی۔

دوسری پیشگوئی قادیان میں طاعون کے متعلق تھی۔ مولوی ثناء اللہ کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے شایع کیا تھا کہ قادیان میں مطلق طاعون نہیں آئیگی۔ مگر یہ غلط ہے۔ حضرت اقدس کا کوئی الہام نہیں جسمیں لکھا ہو کہ قادیان میں مطلق طاعون نہیں آئیگی۔ ہاں یہ لکھا ہوا ہے کہ قادیان میں طاعون جارف یعنی جھاڑو پھیر دینے والی طاعون نہیں آئیگی۔ اور ایسی نہ ہوگی جو انسانی برداشت سے باہر ہو۔ سو ایسا ہی ہوا۔

دیکھو حضرت صاحب نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ آپکے گھر میں اور آپ کے خاک و خشت کے گھر میں رہنے والے کلیۃً اس ہلاکت سے بچائے جائینگے۔ چنانچہ آج تک بیس بائیس سال طاعون کو آئے ہوئے گذر گئے۔ ایک کیس بھی طاعون کا اس مکان میں نہیں ہوا۔ درانحالیکہ ارد گرد طاعون آتی رہی۔ لیکن یہ بالکل محفوظ رہا۔ خدا تعالیٰ نے نوح نبی کی کشتی کو دنیا کیلئے حضرت نوح کی صداقت کا نشان ٹھہرایا۔ حالانکہ سیلاب سے بچنے کا سامان کشتی ہی ہوتی ہے مگر یہ دنیا میں کوئی ذریعہ تسلیم نہیں کیا گیا کہ طاعون سے بچنے کا ذریعہ کوئی گھر ہو۔ پس کس طرح اس نشان کو حضرت اقدس مسیح موعود کی صداقت کا نشان نہ مانا جاوے۔

محمدی بیگم والی پیشگوئی

محمدی بیگم والی پیشگوئی پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ مگر جیسا کہ میں نے قرآن کریم سے بتایا تھا کہ وما نرسل الایات الا تخویفا۔ یہ نشان بھی انذاری تھا۔ وہ لوگ بے دین تھے۔ ان کے لئے یہ نشان ظاہر کیا۔ اس پیشگوئی کی دو ٹانگیں تھیں (۱) یہ کہ اگر محمدی بیگم کا والد احمد بیگ حضرت مسیح موعود سے نکاح اس کا نہ کرے۔ تو تین سال میں فوت ہوگا۔ چنانچہ احمد بیگ تو ابھی چند ہی مہینے محمدی بیگم کے نکاح پر گذرے تھے۔ ہوشیار پور میں فوت ہو گیا۔ اور سلطان محمد نے اپنی حالت سے رجوع کیا۔ اور خوف کھایا۔ اسلئے اس سے عذاب ٹل گیا۔ اگر کہا جائے۔ کہ سلطان محمد کو بیعت میں داخل ہونا چاہیئے تھا۔ تب ہم اس کا رجوع مانینگے یہ غلط ہے۔ کیونکہ رجوع کے لئے بیعت میں داخل ہونا شرط نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:- وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰیٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ اِلَّا هِیَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا یٰۤاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ (پ ۲۵ ع ۱۱)

اور ضرور ہم نے بھیجا موسیٰ کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف۔ پس موسیٰ نے کہا کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ پس جب انکے پاس ہماری نشانیوں کے ساتھ آیا۔ وہ اس سے ہنستے تھے ہم ان کو کوئی نشان نہ دکھاتے تھے مگر وہ جو پہلے سے بڑا ہوتا تھا۔ اور پکڑا ہم نے ان کو عذاب کے ساتھ تاکہ وہ رجوع کریں۔ مگر انکا رجوع کیا تھا۔ اس کے لئے فرمایا وہ کہتے تھے کہ اے جادوگر ہمارے لئے دعا کر اس چیز کے ساتھ جس کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہے۔ ہم اس سے ہدایت پائینگے۔ پس جب ہم نے عذاب دور کر دیا۔ وہ اپنے عہد سے پھر گئے۔

اب یہاں دیکھو کہ ان کے رجوع کا حال بیان کیا کہ ان کا رجوع یہ تھا کہ انھوں نے موسیٰ سے دعا کرائی۔ اگرچہ جادوگر ہی کہتے تھے وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ بیعت نہیں کرتے تھے۔ پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ رجوع کے لئے ایمان لانا شرط نہیں۔ ایسا ہی ان لوگوں نے رجوع کیا۔ اپنی بدزبانی سے رک گئے۔ بلکہ آپکے متعلق

کھاتا کہ پھر ان کو نہایت سختی سے اور اسلام کا خدمتگذار پہلے بھی اور اب بھی سمجھتے ہیں۔ جب ان کی یہ حالت تھی۔ تو خدا نے ان پر سے عذاب کو ٹال دیا۔ ہاں حضرت صاحب کا اعلان ہے کہ اگر وہ پھر شوخی کرینگے تو مورد عذاب ہونگے۔

اب میں صداقت کی چند دلیلیں پیش کرتا ہوں:۔

(۱) مولوی ثناء اللہ نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچا ہونے کی دلیل یہ بھی لکھی ہے:۔

مولوی ثناء اللہ کے مسلمات سے مسیح موعود کی صداقت

"نظام عالم میں جہاں اور قوانین الٰہی ہیں۔ یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی کی نبوت کی ترقی نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔"

"اس سے یہ نہ کوئی سمجھے کہ جو نبی قتل ہو وہ جھوٹا ہے۔ بلکہ اس میں عموم و خصوص مطلق ہے یعنی یہ ایسا مطلب ہے جیسا کوئی کہے کہ جو شخص زہر کھاتا ہے مر جاتا ہے۔ اسکے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ہر مرنیوالے نے زہر کھائی ہے۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو کوئی زہر کھائیگا وہ ضرور مریگا۔ اور اگر اسکے سوا بھی کوئی مرے تو ہو سکتا ہے گو اس نے زہر نہ کھائی ہو۔ یہی تمثیل ہے کہ دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائے گا ہلاک ہوگا۔ اگر اس کے سوا بھی کوئی ہلاک ہو تو ممکن ہے۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ زہر کھانیوالا بچ رہے۔"

پھر لکھتے ہیں کہ:۔

"حالانکہ بقول اہل کتاب پیغمبر اسلام کاذب تھے معاذ اللہ پھر میں پوچھتا ہوں کہ کیا وجہ آپ کے گلے پر تلوار نہ پھری اگر ہوا تو کیا جو اس (قانون الٰہی) کے مطابق حضور اقدس نہ مارے گئے۔ اگر یہ کلام سچ ہے تو آپ کی نبوت بھی بلا کلام حق ہے۔" (تفسیر ثنائی جلد اول صفحہ ۱۶-۱۷)

اب دیکھنا چاہیئے۔ کہ جب مولوی ثناء اللہ صاحب کے مسلمات میں قرآن کریم کے رو سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جھوٹا نبی مارا جاتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ اہل کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا نبی مانتے ہیں۔ مگر یہ قانون بجائے آپ کو مجرم ثابت کرنے کے سچا ثابت کرتا ہے۔ اب میرا سوال مولوی ثناء اللہ سے ہے۔ کہ جب وہ حضرت مرزا صاحب کو جھوٹا مدعی نبوت مانتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ان کے بیان کردہ قانون الٰہی کے مطابق وہ مارے نہیں جاتے۔ پس ان کے مسلمات کے رو سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مرزا صاحب اپنے دعویٰ میں سچے ہیں۔

معجزانہ کلام

قرآن کریم کہتا ہے۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (پ ۱۲ ع ۲) کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ بنا لیا تو کہہ دے کہ تم بھی اس جیسی دس سورتیں ہی جھوٹ موٹ کی بنا لاؤ۔ اور اللہ کے سوا اور دل کو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو پس اگر یہ قبول نہ کریں پس جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔

اسی کے مطابق آپ نے خدا تعالیٰ کی تائید و نصرت کے دئے ہوئے علم سے کتابیں لکھیں اور تمام دنیا کے علماء کو چیلنج کیا مگر وہ جواب نہ لا سکے اس سے ثابت ہے کہ وہ خدا کے علم کے ماتحت لکھی گئی ہیں اور یہ آپ کی صداقت کی نشانی ہے۔

پھر آپ نے خدا سے علم پا کر پیشگوئیاں شائع کیں جو ایسی ہیں کہ انسانی قیاس ہرگز نہ کر سکتی تھیں۔ انہیں سے دو یہ ہیں:۔

تقسیم بنگالہ

لارڈ کرزن نے بنگالہ تقسیم کیا۔ بنگالیوں نے ایجی ٹیشن پھیلایا جس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ بلکہ پارلیمنٹ تک سے اس کے متعلق فیصلہ کر دیا گیا کہ یہ فیصلہ منسوخ نہیں ہو سکتا۔ اگر ظاہری قیاس سے کوئی بات کہی جا سکتی تھی۔ تو یہی کہ اب اس معاملہ کو یہیں چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ اس میں کچھ ترمیم تنسیخ نہیں ہو سکتی۔ مگر آپ نے خدا سے خبر پا کر شائع کی کہ بنگالیوں کے متعلق جو حکم پہلے شائع کیا گیا تھا اب انکی دلجوئی کی جائیگی اور انکی دلجوئی اسی صورت ہو سکتی تھی کہ تقسیم میں ترمیم کر دی جائے۔ چنانچہ ۱۹۱۱ء میں بادشاہ دہلی میں آیا اور انہی ایام ترمیم کر دی اور خدا کی بات پوری ہوئی۔ پارلیمنٹ میں اعتراض ہوا مگر پھر اس معاملہ کو چھوڑ دیا گیا۔ کیا یہ آپکی صداقت کی دلیل نہیں؟

عبد الرحمن و حضرت عبد اللطیف کی شہادت

دوسری بات یہ ہے کہ آپ نے براہین احمدیہ میں خدا سے علم پا کر پیشگوئی کی کہ شاتان تذبحان۔ علم تعبیر سے ثابت ہے کہ جو شخص ظلم سے مارا جائے اور وہ کچھ مقابلہ نہ کرے۔ اسکی موت بکری کی موت ہوتی ہے جب آپ نے دعویٰ کیا افغانستان سے دو شخص آپ کے سلسلہ میں ابتداءً داخل ہوئے اول میاں عبد الرحمن صاحب اور دوسرے شاہزادہ عبد اللطیف صاحب اور دونو وہاں شہید کئے گئے اور دونوں نے ظالموں کا کچھ مقابلہ نہ کیا اور بکری کی طرح ذبح کئے گئے۔

رسول کریم نے بھی دیکھا تھا کہ کچھ گائیں ذبح ہوئی ہیں اور اس سے مراد صحابہ تھے۔ اب دونوں پیشگوئیوں میں حکمت یہ ہے کہ مسیح موعود کے دو صحابی تو بغیر مقابلہ کے مارے گئے اور یہی انکی حالت بتائی گئی تھی مگر آنحضرت صلعم کے صحابہ کو گائے کی شکل میں دکھایا گیا۔ اور گائے مارتی بھی ہے اور مرتی بھی ہے چنانچہ انہوں نے قاتلوا و قتلوا کے ارشاد کے ماتحت دشمنوں کو مارا بھی اور مر بھی گئے۔ یہ ہے عظیم الشان پیشگوئی کہ جس پر کوئی شخص انگلی نہیں رکھ سکتا۔

مسئلہ وفات مسیح

(خلاصہ تقریر حافظ روشن علی صاحب)

۲۰ مارچ کی شب کو میر محمد اسحٰق صاحب کی تقریر کے بعد مکرم حافظ صاحب نے مسئلہ وفات مسیح کے متعلق جو تقریر فرمائی اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

ہر ایک مخالفت کا کوئی سبب ہوتا ہے، ہمارے غیر احمدی بھائیوں کا اعتقاد تھا کہ حضرت عیسیٰ آئینگے اور ان سے انکی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں۔ اب حضرت مرزا صاحب نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ اس پر انکو چونکہ اپنے اعتقاد چھوڑنے پڑتے تھے اسلئے وہ مخالفت کرتے ہیں اور بجائے حضرت مسیح ناصری کی زندگی ثابت کرنے کے حضرت مسیح موعود سے عداوت رکھتے ہیں۔

اسوقت حضرت مسیح کی وفات کے دلائل کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر حیات ثابت ہو جائے تو تمام نزاع کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اسوقت میں ان دلائل کو لیتا ہوں جو حیات مسیح کے ثبوت میں پیش کئے جاتے ہیں:۔

ماقتلوہ وما صلبوہ کا مطلب

سب سے پہلی آیت یہ ہے۔ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ (پارہ ۶ رکوع ۲) کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کی کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا یا صلیب پر مار دیا تردید کی ہے اسلئے مسیح نہیں مرا بلکہ کوئی اور مرا۔ قتل اور صلیب مارنے کے سامان ہیں مگر کسی کو کوئی مار نہیں سکتا۔ جو لوگ کسی کو مارنا چاہتے ہیں وہ اسکے لئے موت کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں مگر موت اللہ تعالیٰ ہی کسی پر وارد کرتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا (پ ۴ ع ۶) کوئی جان نہیں مرتی جبتک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو اور اسکا اللہ نے وقت مقرر کیا ہے۔

دوسری جگہ فرماتا ہے۔ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰى اِذَا جَاءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (پ ۷ ع ۱۴) اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر غالب ہے وہ تم پر نگہبان بھیجتا ہے جب تم میں سے کسی کی موت آتی ہے تو ہمارے رسول اسکی قبض روح کرتے ہیں اور وہ کمی نہیں کرتے

پس کوئی انسان کسی کو نہیں مار سکتا۔ ہاں اسباب موت جمع کر سکتا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ کے علم میں اس کا وقت آچکا ہوتا ہے۔ تو وہ مر جاتا ہے۔ ورنہ وہ اسباب بے اثر ہو جاتے ہیں۔

چونکہ یہود نے دعویٰ کیا۔ کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا اور سولی پر چڑھا کر مار دیا۔ اور یہ غلط تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں اس کی تردید کی ہے۔ قتل کہتے ہیں القتل اخراج الروح من البدن۔ یعنی بدن سے روح کے نکالنے کو قتل کہتے ہیں۔ فرمایا انہوں نے اسباب قتل تو مہیا کئے۔ مگر روح کو جسم سے نہیں نکال سکے۔ اور اسی طرح صلب کے متعلق آتا ہے۔ کہ الصلب القتلۃ المعروفۃ۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ نہ انہوں نے قتل کیا نہ صلیب پہ چڑھا کر مارا۔ یہاں صلیب پر چڑھانے کی تردید نہیں۔ صلیب پر مارنے کی تردید ہے۔

کیا مسیح کی بجائے کوئی اور مارا گیا

اسی کے متعلق ایک اور بات بھی بنایا کرتی ہے۔ کہ مسیح کو تو یہود نے نہیں مارا۔ البتہ مسیح کا ایک ہمشکل اسی وقت بنایا گیا۔ اور مسیح کی بجائے اس کو مارا گیا۔ اب ہم اس کے متعلق دیکھتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے۔ (۱) اس شخص کا جو مسیح کی بجائے مصلوب بتایا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں ذکر نہیں جب دلیل قرآن کریم کی ہے۔ تو اس کے سب اجزاء بھی قرآن کریم میں ہی ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ قرآن سے ایک بات بتا کر ثبوت دوسری جگہ سے لائیں۔

(۲) اگر خدا نے مسیح کو بچا لیا تھا۔ تو دوسرے کو مروانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا نعوذ باللہ یہ خوف تھا۔ کہ یہود کہیں آسمان پر بھی نہ چڑھ جائیں۔ اور وہاں تک مسیح کا تعاقب نہ کریں۔

(۳) یہ کہ اس عمل یعنی حلیہ بدل کر ایک دوسرے شخص کو مروانے میں کوئی حکمت نہیں۔ اس لئے اللہ تعالےٰ کی ذات سے یہ بعید ہے۔ کہ کسی لغو کام کو اس کی طرف منسوب کیا جائے۔ جیسا کہ فرمایا وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ۔ (پارہ سترہ ع ۲) کہ ہم نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔

(۴) وہ کون شخص تھا۔ جس کو مسیح کا ہمشکل بنایا گیا اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ کوئی کسی کا نام لیتا ہے کوئی کسی کا۔ اگر یہ واقعہ ہے۔ تو اس میں زمین و آسمان کے فرق کی کیا ضرورت تھی۔

(۵) ایک یہ بھی سوال ہے۔ کہ کیا یہود سے خدا کو اتنی محبت تھی کہ ان کی خاطر خدا نے کسی اور کو مسیح کا ہمشکل بنا کر ان کو خوش کر دیا۔

(۶) یہ اعتراض ہے۔ کہ مسیح کو خدا نے بنی اسرائیل کی طرف رسول و نبی بنا کر بھیجا تھا۔ مگر مسیح کو خدا نے چھپا لیا۔ اور اس کی بجائے ایک اور شخص کو مسیح ہمشکل بنا کر سولی پر چڑھا دیا۔ تو جب وہ شخص مسیح کا ہی ہمشکل تھا۔ اور مسیح ان کے سامنے نہ تھا۔ تو یہودی کس طرح مجرم ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ جس کو نعوذ باللہ جھوٹا نبی جانتے تھے وہ اپنے تورات کے معیار کے مطابق اس کو جھوٹا ثابت کرنے میں کامیاب ہو گئے انہوں نے دیکھا۔ کہ ہم جس کو مارتے ہیں۔ وہ مسیح بن مریم ہی ہے۔ اس کا غیر نہیں۔

جب وہ مسیح کا ہمشکل بنا۔ تو وہ اس کے علم کا بھی وارث بنا۔ اور علم کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے۔ کہ حیوان الناطق مع ھذا الشخص۔ پس جب مسیح کا تشخص اس میں آگیا۔ تو ان کا دعویٰ جھوٹا نہیں اور خدا تعالےٰ ان کو مجرم نہیں قرار دے سکتا۔

(۷) حضرت عیسیٰ خدا کے پیارے ہیں اور وہ شخص جس کو منافق یا مرتد یا دشمن مسیح کہا جاتا ہے۔ بہر حال ایک بدترین شخص ہوگا۔ اور ہونا چاہئیے۔ ایسے ملعون شخص کو خدا کے پیارے مسیح کی شکل دینے کی کیا وجہ اور اس سے اس کو کیا سزا ملی۔ کیونکہ وہ خدا کے پیارے کا ہمشکل ہو گیا۔ نیز خدا جن پر غضب ہوا کرتا ہے۔ ان کو اپنے پیاروں کی شکل نہیں دیا کرتا بلکہ ان کے متعلق فرماتا ہے۔ کہ جن پر اللہ تعالےٰ ناراض ہوتا اور لعنت ڈالتا ہے۔ ان کی حالت کیا ہوتی ہے۔ فرمایا۔ کہ مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ (پارہ ششم ع ۱۳) کہ جن پر اللہ تعالےٰ غضب نازل کرتا ہے۔ ان کو سور بندر اور عبد الطاغوت بناتا ہے۔ پس چاہئیے تھا۔ کہ اس ملعون کو گدھا یا سور یا کتا یا اور کوئی ایسی ہی شکل بنا دیتا۔ نہ یہ کہ الٹا اپنے قواعد کے خلاف اپنے پیارے کی ہی شکل بنا دی۔ جو لوگ قائل ہیں۔ کہ خدا کسی کا حلیہ بدل کر دوسرے کا حلیہ اس کو دے دیتا ہے۔ ان کو اس بات میں غور کرنا چاہئیے۔

(۸) خدا تعالےٰ نے مسیح کو رسولاً الیٰ بنی اسرائیل کہا ہے۔ اور ان کے متعلق مسلمانوں کا اعتقاد ہے۔ کہ وہ تین سال پہلے زمین پر رہے اور چالیس سال اور آکر رہیں گے کل ۴۳ سال بحیثیت نبی کے وہ زمین پر رہیں گے۔ وہ اگر سوا انیس سو سال تو ان کو ابھی آسمان پر گئے ہوئے ہو گئے ہیں۔ اور ابھی نہیں معلوم کتنے عرصہ تک اور ان کو آسمان پر رہنا ہوگا۔ اس لئے چاہئیے تھا۔ کہ قرآن کریم میں ان کو بجائے رسولاً الیٰ بنی اسرائیل کے رسولاً الیٰ اہل السماء کہا جاتا۔

(۹) ایک اور بات ہے۔ اور وہ یہ کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ مسیح کو تکلیف کے وقت خدا آسمان پر لے گیا۔ وہ نصاریٰ کی تائید کرتے ہیں۔ اور اس سے ثبوت دیتے ہیں۔ کہ مسیح کو تمام دیگر انبیاء پر فضیلت حاصل تھی۔ کیونکہ تمام نبیوں پر سخت سے سخت وقت آئے۔ خدا کسی کو آسمان پر نہ لے گیا۔ حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا۔ خدا ان کو آسمان پر نہیں لے گیا۔ بلکہ آگ کو حکم دیا۔ کہ ٹھنڈی ہو جا۔ اسی طرح یہاں بھی چاہئیے تھا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ جب یہود نے چاہا۔ کہ مسیح کو صلیب پر ماردیں۔ خدا نے صلیب کو کہا۔ کہ اے صلیب میرے بندے مسیح کو مت نقصان پہنچا۔

پس مسیح کی بجائے کسی دوسرے کو صلیب پر چڑھانے سے خدا کی خدائی پر حرف آتا ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ باطل ہے۔

کیا حضرت مسیح کو آسمان پر اٹھا لیا گیا

دوسری دلیل حیات مسیح کے بارے میں یہ دی جایا کرتی ہے۔ کہ قرآن کریم میں آتا ہے بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس کے معنے ہیں۔ کہ اللہ نے مسیح کو آسمان پر اٹھا لیا۔ اس کے متعلق چند باتیں

گذارش ہیں (۱) اس آیت میں لفظ آسمان نہیں ہے۔ یہ زائد لفظ کہاں سے آگیا؟

(۲) عربی زبان میں "طرف" کے معنوں میں دو لفظ ہیں۔ (۱) الیٰ (۲) تلقاء۔

ان دونوں لفظوں میں فرق ہے۔ لفظ "تلقاء" عام "طرف" کے معنوں میں آتا ہے اور لفظ "الیٰ" انتہا غایت کے لئے۔ جیسا کہ فرمایا ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ (پ ۲ ع ۷) پھر تم روزے کو رات تک پورا کرو۔ کیا معنے کہ جب رات آجائے۔ تب روزے کو ختم کرو۔ پس اسی طرح یہاں بھی آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں لفظ "الیٰ" وارد ہے۔ اور اس کا تقاضا ہے کہ مسیح عرش تک پہنچیں۔ یہ کیا وجہ ہے کہ ان کو چوتھے آسمان پر ہی بٹھا دیا جاتا ہے۔ پھر قرآن کریم میں تو آیا ہے کہ وھو اللہ فی السموات فی الارض۔ اس آیت کے ہوتے ہوئے مسیح کو آسمان پر لیجانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز جب کوئی مسلمانوں میں فوت ہوتا ہے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ کیا وہ مردہ اور ہم سب مع الجسم آسمان پر خدا کے پاس چلے جاتے ہیں۔

(۳) چاہیئے کہ مسیح کو آسمان پر لیجانے والے خدا کیلئے کوئی جہت مقرر کریں۔ اگر خدا کی جہت مقرر کرینگے۔ تو ان کو ماننا پڑے گا کہ خدا باقی دوسری طرفوں میں نہیں ہے۔

(۳) یہاں اللہ کا اُٹھانا ہے اور اُٹھانا کئی قسم کا اور کئی قسم کے لوگوں کا ہوتا ہے۔ اب غور کرنا چاہیئے کہ خدا کے اُٹھانے کا کیا طریق ہے۔ باپ بھی بیٹے کو اُٹھاتا ہے اور وہ یہ کہ وہ گود میں یا کندھے پر چڑھا لیتا ہے۔ اگر مسیح کو خدا نے گود یا کندھے پر اُٹھایا ہے تو مسیح خدا کا بیٹا ہوا۔ اور عیسائی مذہب سچا ثابت ہوا۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ مومنوں کا رفع کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ (پ ۲۸ ع ۲) اللہ تعالیٰ مومنوں کو اُٹھاتا ہے۔ اسکے معنے یہ نہیں کہ خدا آسمان پر لے جاتا ہے۔ بلکہ یہ کہ ان کو اپنا قرب عطا کرتا ہے۔ اور یہی معنے ہیں بل رفعہ اللہ الیہ کے۔

کہ یہود اپنے زعم میں چاہتے تھے۔ کہ وہ مسیح کو دربار الٰہی سے دھتکارا ہوا ثابت کریں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں وہ ہمارا درباری ہے۔ اور یہی مومنین مخلصین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

سیکنڈ ڈیل تقریر ۱۸ مارچ ۱۹۲۱ء گیارہ بجے دن کے ہوئی۔

رات میں نے بتایا تھا۔ کہ اگر مسیح کی بجائے کوئی اور شخص سُولی پر چڑھا کر مارا گیا تو اس پر کیا کیا اعتراض پڑتے ہیں۔ اور پھر چند باتیں رفع کے متعلق بھی بتائی تھیں۔ اب میں وہ باتیں بیان کرونگا۔ جو بعض غیر احمدی علماء کے نزدیک مسیح کی حیات کا زبردست ثبوت ہیں۔

حیات مسیح کے دلائل پر تنقید

مولوی ابراہیم سیالکوٹی نے اپنے لیکچر میں بیان کیا۔ کہ اگر مسیح کو سُولی پر چڑھا دیا گیا۔ تو پھر خواہ وہ زندہ ہی اُتر آئیں۔ یہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ (پارہ ۷ ع ۵) کہ یاد کر اسوقت کو جب بنی اسرائیل کو میں نے تجھ سے روک دیا۔ جبکہ تو انکے پاس بینات کے ساتھ آیا۔ وہ کہتے ہیں کہ کف صادق نہیں آسکتا جب تک کہ یہ نہ ہو کہ مسیح کو ہاتھ بھی نہ لگایا جائے اور وہ دُکھ سے بچائے جائیں۔ مگر یہ خیال مولوی ابراہیم کا قرآن کریم میں تدبر نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ جس طرح یہ لوگ توفی کا لفظ جہاں غیر مسیح کے لئے آئے تو قبض رُوح معنے لیتے ہیں اور جب مسیح کے لئے آئے۔ تو قبض رُوح و الجسم لیتے ہیں۔ اسی طرح لفظ کف کا اوروں کیلئے بھی قرآن کریم میں آتا ہے۔ مگر وہاں یہ معنے نہیں لیتے جو مسیح کے لئے لیتے ہیں۔ چنانچہ یہی لفظ آنحضرت کے لئے اور مومنوں کیلئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا ہے۔ سورہ فتح میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَکَفَّ اَیْدِیَ النَّاسِ عَنْکُمْ وَلِتَکُوْنَ اٰیَۃً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۱) اور لوگوں کے ہاتھوں تم سے روکے تاکہ مومنوں کیلئے نشان ہو۔

لیکن کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور حضور کے صحابہ کو تکالیف برداشت کرنا نہیں پڑیں۔ نبی کریمؐ نے زخم نہیں کھائے جب باوجود یہاں کف ایدی الناس کے یہ نظارہ موجود ہے۔ تو مسیح علیہ السلام کے لئے جو "کففت" کا لفظ ہے۔ اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ ان کو یہود نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔ ایک بات ہے اور وہ یہ کہ وہ صلیب پر مارنا چاہتے تھے۔ خدا نے مرنے نہیں دیا۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب تو ان کے پاس آیا تب روکا۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کے لئے ان کو روک دیا تھا۔

مسیح کے آسمان پر جانے کی دوسری دلیل

مولوی ابراہیم نے اپنے لیکچر میں کہا کہ مسیح کی پیدائش چونکہ ہوا سے تھی اسلئے وہ آسمان پر اُڑ گیا کہ ہوائی جسم اس کا تھا۔ مگر آدم تو ڈبل ہوائی ہونا چاہیئے۔ اس کا کیا جواب ہے۔ بلکہ آدم تو بقول انکے آسمان کے نیچے آیا۔ چہ جائیکہ نیچے سے آسمان پر جاتا۔

یہ غلط ہے کہ مسیح کی پیدائش ہوائی تھی۔ بلکہ جیسا کہ لفظ نفخ رُوح کا مسیح کے لئے ہے۔ آدم اور بنی آدم کے لئے بھی ہے۔ چنانچہ بنی آدم کے لئے ہے کہ وَنَفَخَ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِہٖ وَجَعَلَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ (پ ۲۱ ع ۱۴) پس چاہیئے تھا کہ آدم اور تمام بنی آدم بھی آسمان پر جاتے۔ نیز حدیث میں آتا ہے کہ ہر انسانی قالب میں نفخ رُوح کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک فرشتہ مقرر ہے۔

پھر جو لوگ نبی کریمؐ کا جسمانی معراج مانتے ہیں وہ یہ بھی مانتے ہیں۔ کہ آپ کی پیدائش ماں اور باپ سے تھی۔ صرف ماں سے نہ تھی۔ اور بقول ابراہیم ہوائی نہ تھی۔ لیکن آپ تو مسیح سے بھی اُوپر گئے۔ اسلئے ان کا قاعدہ کہاں رہا۔

لفظ رفع کے متعلق اعلان

میں نے رفع کے متعلق رات بعض باتیں بیان کی تھیں۔ مگر میں ایک اصول پیش کرتا ہوں۔ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توفی کے معنے جب اللہ فاعل اور ذی رُوح مفعول ہو۔ سوائے قبض رُوح کچھ اور بتانیوالے کے لئے انعام مقرر کیا ہے اور کوئی اس کا جواب نہیں دے سکا اسی طرح ہماری طرف سے اعلان ہے کہ جب رفع کا فعل انسان کے لئے آئے اور خدا تعالیٰ فاعل ہو تو سوائے عزت دینے کے اور کوئی معنے نہیں۔ اگر کوئی اسکے خلاف دکھائے تو ہم انعام دینے کے لئے تیار ہیں۔

تمام اہل کتاب کا ایمان لانا

ایک یہ بھی روایت لیتا ہوں [illegible] عام مفسرین اور علماء مولوی [illegible] حیات مسیح کا ثبوت بکی لیتے ہیں اور وہ آیت ان من اہل الکتاب [illegible]

* لیومنن بہ الآیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ مسیح کی موت سے پہلے یہود مسیح پر ایمان لائینگے۔ مگر یہود چونکہ اب تک ایمان نہیں لائے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ مسیح بھی فوت نہیں ہوئے

لیکن ان کے ان معنوں پر چند اعتراض ہیں (۱) اس آیت میں مسیح کا کہیں نام نہیں۔ ضمیریں ہیں۔ جن کو جمع کیا گیا ہے۔ اور لیومنن بہ کی ضمیر کس طرف جاتی ہے۔ اس میں بہت اختلاف کیا گیا ہے۔ بعض مسیح مراد لیتے ہیں۔ بعض قرآن کریم۔ بعض نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ بعض خدا کی طرف پھیرتے ہیں (۲) اسی رکوع میں اللہ تعالے نے یہود کے متعلق فیصلہ کیا ہے۔ کہ فلا یومنون الا قلیلا نہیں ایمان لائینگے مگر تھوڑے۔ پس خدا کے اس فیصلے کے ہوتے ہوئے یہ کیسے کہا جاتا ہے۔ کہ مسیح پر سب ایمان لے آئینگے۔

(۳) اگر یہود حضرت مسیح پر ایمان لائیں گے۔ تو یہ ایمان لانا ان کی ایک نیکی ہے۔ لیکن اس تمام رکوع میں یہود کی بدیوں کی فہرست دی گئی ہے۔ اور اس آیت کے آگے پیچھے بھی یہود کی بدیوں اور بدکاریوں کا ذکر ہے۔ یہ درمیان میں نیکی کیسے آگئی۔ اگر کہا جائے۔ کہ جو ان میں نیکی تھی۔ اگر اس کا ذکر کر دیا۔ تو کیا ہوا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ان کی نیکیوں اور نیکوں کو لاکن الراسخون فی العلم کہکر اس فہرست کے بعد الگ ذکر کیا ہے۔

(۴) قرآن کریم تو کہتا ہے۔ کہ یہود و نصارٰی کا وجود قیامت تک رہیگا۔ پھر جب وہ سب ایمان لے آئے۔ تو ان کا وجود کہاں رہا۔ (۵) اس کو واقعات رد کرتے ہیں۔ سب اہل کتاب ایمان نہیں لا سکتے۔ کیونکہ بہت سے مر گئے اور مر رہے ہیں۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ جب یہودی مرنے لگتا ہے تو وہ فوراً چپکے سے مسیح پر ایمان لانے کا اقرار کر لیتا ہے۔ مگر یہ بچوں کو خوش کرنے والی باتیں ہیں۔

(۶) دجال کے ساتھ ستر ہزار یہودی علماء ہونگے۔ ان کو مسیح قتل کرے گا۔ حالانکہ اس آیت کے ساتھوں کے پیش کردہ معنوں کے رو سے ان کو بھی ایمان لا کر مرنا چاہیئے یہ ایک لطیفہ ہے۔ مرنے کو کس کا دل چاہتا ہے۔ اسلئے یہود مسیح پر ایمان نہیں لائینگے۔ کہ جب تک ایمان نہ لائیں ان کے لئے موت نہیں۔ اور مسیح ان کو ایمان نہیں لانے دینگے۔ کیونکہ وہ کہینگے۔ کہ جب تک تم ایمان نہ لاؤ گے میں زندہ رہونگا۔ اگر کہا جائے۔ کہ مسیح کے دشمن یہود مر جائیں۔ تو اس کی لفظ اجازت نہیں دیتے۔

صحیح مطلب

اب سوال ہوتا ہے۔ کہ اس آیت کے معنے کیا ہیں۔ کیونکہ قرآن الکیم ہی نہیں ہمارا بھی ہے سو یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ ایمان دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک جھوٹا ایمان ایک سچا۔ جھوٹا ایمان زندگی تک رہتا ہے۔ اور سچا ہمیشہ تک۔ اس بات کے ثبوت میں۔ کہ ایمان جھوٹی بات پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت ملاحظہ ہو۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (پارہ پنجم ع پنجم) پس اس آیت کا یہ مطلب ہوا۔ کہ بنی اسرائیل اپنی زندگی بھر تو اپنے اس قول پر ایمان رکھینگے۔ کہ ہم نے مسیح کو مار دیا۔ مگر پھر انکا یہ ایمان ختم ہو جائیگا۔ مسیح ان کے خلاف قیامت کو گواہی دے گا۔

یہاں تک ان دلائل پر بحث تھی جو حیات مسیح کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہے۔ مگر اب ہم وفات مسیح کے دلائل کو لیتے ہیں۔ مسیح کی وفات قرآن کریم سے کئی طرح ثابت ہوتی ہے۔ (۱) تو مسیح علیہ السلام کے منہ سے ان کی وفات کا اقرار کرایا گیا۔ (۲) اگر وہ رسول ہیں تو ان کی بحیثیت رسول کے وفات ثابت کی ہے (۳) اگر وہ انسان ہیں۔ تو ان کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ (۴) اگر وہ مسیحیوں کے خدا ہیں تو ان کی وفات ثابت ہوتی ہے۔

حضرت مسیح کا اپنی موت کے متعلق اقرار

(۱) پہلے مسیح کا اقرار ملاحظہ ہو۔ سورہ مائدہ کے آخری رکوع میں مسیح کا سوال و جواب درج ہے۔ جو خواہ قرآن کے نزول سے پہلے ہو چکا یا قیامت کو ہو۔ حضرت مسیح سے سوال ہے۔ کہ کیا تم نے لوگوں کو اپنی خدائی کا سبق دیا ہے۔ وہ اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم۔ میں نے ان کو سوائے آپ کے حکم کے کچھ نہیں کہا۔ جب تک میں ان میں رہا۔ ان کا نگہبان تھا۔ جب تو نے مجھے وفات دیدی۔ تو تو ہی نگہبان تھا۔

حضرت مسیح کہتے ہیں۔ کہ عیسائیوں کا ان کو خدا بنانا انکی وفات کے بعد کا واقعہ ہے۔ اگر عیسائی بگڑ چکے ہیں۔ تو وفات مسیح ثابت اگر نہیں تو مسیح زندہ ہیں۔

حضرت مسیح کا بحیثیت نبی وفات پانا

(۲) ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل۔ یہی الفاظ مسیح کیلئے بھی ہیں۔ جن میں مسیح سے پہلے نبیوں کی وفات کا ذکر ہے۔ اور اس میں آنحضرت سے پہلے نبی ہیں۔ لہذا اس آیت کی رو سے مسیح وفات یافتہ ہیں۔

حضرت مسیح کا بحیثیت معبود وفات پانا

(۳) اگر مسیح کو معبود ماسوی اللہ کا درجہ دیا جائے۔ تو بھی ان کی وفات ثابت ہے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (پارہ ۱۴ ع ۸) جنکو اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ وہ کچھ پیدا نہیں کرتے بلکہ وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ مردہ ہیں زندہ نہیں اور ان کو یہ بھی علوم نہیں کہ کب مبعوث کئے جائینگے۔

اگر مسیح خدا کے سوا معبود بنائے گئے ہیں۔ جیسا کہ واقعہ ہے کہ بنائے گئے ہیں۔ تو قرآن میں ان کی موت کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

حضرت مسیح کا بحیثیت عام انسان وفات پانا

اگر وہ معمولی انسان ہوں تو ان کیلئے یہ قانون ہے۔ فیہا تحیون و فیہا تموتون و منہا تخرجون کہ زندگی موت اور بعث بعد الموت سب انسانوں کا زمین سے ہوگا۔

اب سوال ہے کہ کیا مسیح یہاں آسکتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ نہیں۔ کیونکہ چند باتیں فیصلہ طلب ہیں (۱) کیا وہ اپنے سابقہ عہدے سے ترقی کر کے آئینگے (۲) یا تنزل کر کے۔ اگر ترقی کر کے آئینگے تو رسول کریم سے بڑھ جائینگے اور رسول کریم کی بجائے وہ قیامت تک کیلئے نبی ہونگے اور نبی کریم کی خصوصیت کو توڑنے والے ہونگے جو یہ ہے۔ کہ آپ تمام دنیا کی طرف مبعوث ہوئے ہیں آپ سے پہلے یہ شان کسی نبی کو نہیں ملی۔ دوسرے اگر تنزل کر کے۔ تو کس قصور پر ان کو اپنے سابقہ عہدے سے معزول کیا جائیگا۔ تیسرے یہ کہ موجودہ حالت میں آئیں تو وہ رسول بنی اسرائیل کے ہیں کتاب ان کی انجیل ہے اس صورت میں آئیں تو بعد قرآن کے ایک ایسی کتاب بھی ہوگی جو قابل عمل ہے۔ اور جس پر عمل کرنا موجب نجات ہے لہذا قرآن اور اسلام نجات کی وابستگی نہ رہی

یدفن معی فی قبری کا مطلب

مولوی ابراہیم نے ایک حدیث بھی پیش کی ہے۔ وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسیح یدفن معی فی قبری اسکے معنے وہ کرتے ہیں۔ کہ میرے مقبرہ میں حضرت عیسٰی دفن ہونگے

لیکن اس پر چند سوال ہیں۔ اول تو اس حدیث کی روایت ضعیف ہے دوسرے درایۃً بھی یہ غلط ہے دیگر جو معنے صحیح ہیں باقی غلط۔ پہلے میں یہ بتاتا ہوں کہ ان کو مقبرہ معنے کرنے کا کیا حق ہے جبکہ لفظ قبر کا موجود ہے۔ اور معی کا لفظ بھی ہے۔ پس کیا رسول کریم کی قبر کھودی جائیگی۔ اور پھر اس کے اندر حضرت عیسٰی کو بٹھایا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ کہا گیا ہے کہ رسول کریم نے فرمایا کہ میں اور عیسٰی ایک قبر سے اٹھینگے۔ ابوبکر و عمر کے درمیان۔ مگر سوال ہے کہ جب ایسی منصوص بات تھی تو حضرت عمر کا یہ حق تھا کہ وہاں دفن کئے جاتے عائشہ صدیقہ سے اجازت لینے